رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

اے میرے ربّ! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جو تُو میری طرف نازل کرے، اک فقیر ہوں۔

ماہنامہ

آبگینے

خواتین ڈائجسٹ

شمارہ دسمبر 2020

جلد 2 شمارہ 5

ربیع الثانی/ جمادی الاوّل

خواتین کا علمی، ادبی معاشرتی و مذہبی
سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

مُدِیرَہ

مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب | انچارج بچوں کا گلستان / پکوان

حمیرا نگہت | عیشۃ الراضیہ عباسی

زیرانتظام عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

هُـــــوَ النّاصر
خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ

ایک دل شیشہ کی مانند ہوا کرتا ہے ٹھیس لگ جائے ذرا سی تو صدا کرتا ہے

آبگینے
ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ

خواتین کا علمی، ادبی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

جلد 2 شمارہ 5 - دسمبر 2020 - ربیع الثانی / جمادی الاوّل

مدیرہ
مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب
حمیرا نگہت

انچارج بچوں کا گلستان / پکوان
عیشۃ الراضیہ عباسی

اپنی تمام تحریریں اور قیمتی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں

aabgeene6@gmail.com
m.abbasi.uk@gmail.com

www.aabgeenei.com

لندن سے جاری ہونے والا
ماہنامہ آبگینے آپ کا اپنا رسالہ ہے اسکی اشاعت و ترویج میں بھرپور حصہ ڈالیئے

فہرست مضامین

درس القرآن	3
اداریہ	4
ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ قسط دوم	6
خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي	10
عسر اً یسریٰ	12
رزق حلال	13
ایک نصیحت فرقانِ حمید سے	14
اندھیری راتوں کے تیر	15
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طبقۂ نسواں پر احسانات	17
صبر	19
رسول پاکؐ کی محبت اور ہم!	20
میڈیکل کی مخلوط تعلیم اور لڑکا اک شرمیلا سا	22
ہندو عیسائی لڑکیوں کو مسلمان کرنے کا شوق...	24
خوابوں کا بھرم	26
اونچا شملہ	27
آپ کے گھر ماسی نہیں آتی؟	30
بڑی ناکامی سے بڑی کامیابی کیسے جنم لیتی ہے؟	31
کتاب ''سلگتے الفاظ'' کی تقریب رونمائی	34
انکل نے یہاں بدتمیزی کی ہے	36
خصوصی بچے اور تلخ معاشرتی رویّے	37
مجھے تم سے محبت ہے	38
سودائیوں کی منڈی	40
ڈسلیکسیا... بچوں کے سیکھنے کے عمل میں دشواری	41
دماغی صحت بہتر رکھنے والی غذائیں	43
ڈبل روٹی سے مزیدار ڈشز تیار کریں	44
آبگینے بندھن	45
مدیرہ کی ڈاک	47
آئیں اردو سیکھیں	48
شعر و شاعری	14-16-18-21-25 29-30-42-46

زیر انتظام عباسی اکیڈیمی
سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِالْمُؤْمِنِينَ (البقرۃ: 224)

ترجمہ

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس اپنی کھیتیوں کے پاس آؤ۔اور اپنے نفوس کے لئے (کچھ) آگے بھیجو۔اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم ضرور اس سے ملنے والے ہو۔اور مومنوں کو (امر کی) بشارت دیدے۔

تفسیر

اس آیت کریمہ کو بعض ظالموں نے بگاڑ کر، نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِک، بیویوں سے غیر فطری تعلقات کا جواز نکالا ہے۔یہ بڑا بھاری ظلم ہے۔کھیتی سے مراد یہ ہے کہ عورت بقاءِ نسل کا ذریعہ ہے اور غیر فطری تعلقات کے نتیجہ میں ہر گز نسل پیدا نہیں ہوسکتی۔

عورتوں کو کھیت کہنے کی غرض کیا ہے اوّل یہ کہ اس سے خلافِ وضعِ فطرت عمل نہ کیا جاوے۔دوم اس سے بکثرت جماع نہ کیا جاوے۔سوم اس کی اور اس کے حمل کی ہمیشہ حفاظت ہو۔چہارم جن کے بچے گرجاتے یا مرجاتے ہیں وہ اس تشبیہ سے یہ فائدہ اٹھائیں کہ ایک سال صحبت ترک کردیں جس طرح زمین اس ترک سے مضبوط ہوجاتی ہے اسی طرح وہ عورت قابل حمل رکھنے کے ہوجائے گی پنجم اپنے کھیت میں دوسرے کا بیج پڑنے نہ دیں اس لئے کہ اس سے فساد ہوگا۔

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ نمبر 361)

تمہاری بیویاں تمہارے لئے بطور کھیتی کے ہیں تم جس طرح چاہو ان میں آؤ۔ اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب یہ کہا گیا ہے کہ ہم جس طرح چاہیں کریں تو اچھا ہم تو چاہتے ہیں کہ عورتوں سے تعلق نہ رکھیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ اس طرح آؤ کہ آگے نسل چلے اور یادگار قائم رہے۔پس تم اس تعلق کو بُرا نہ سمجھنا۔

(فضائل القرآن نمبر 3 صفحہ 174)

حدیث

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

دنیا میں سے تین چیزیں مجھے بہت پسند ہیں۔ اَلنِّسَاءُ (عورتیں)، اَلطِّیْبُ (خوشبو)، وَجُعِلَت قُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نماز میں رکھی گئی ہے۔یہ حدیث بتاتی ہے کہ مرد و عورت کے جنسی تعلقات بھی تسکین اور ٹھنڈک کا موجب ہوتے ہیں اور خوشبو سے بھی قلب کو سکون محسوس ہوتا ہے اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری اور عاجزانہ دعائیں جو لذّت پیدا کرتی ہیں وہ بھی انسان کے لئے سکون کا موجب ہوتی ہیں۔

(فضائل القرآن نمبر 3 صفحہ 166)

❁❁❁

ضروری اعلان

ادارہ کے مالی حالات کے پیش نظر اور اس کو جاری رکھنے اور مزید ترقی دینے کی خاطر "ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل" اور خواتین ڈائجسٹ "آبگینے" ،لاہور رسالہ دو زبانوں اردو اور انگریزی میں لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ان تینوں رسالوں کو ادارہ اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق کئی سالوں سے جاری رکھے ہوئے ہے۔دنیا کے تمام قارئین کیلئے یہ معیاری اور پسندیدہ رسالے ہیں۔ان کا خاص مقصد معاشرے کی بہتر اصلاح، سچی کھری صحافت اور اسلام کی ترقی کے لئے یہ ایک تبلیغی کوشش ہے۔
یاد رہے ایسے اخبارات اور رسائل کو جاری رکھنے کے لیے ایک بڑا ادارہ یا برنس مین یا اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں میسر نہیں۔
آپ تمام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کی ماہانہ مالی مدد فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالئے۔آپ کی یہ معمولی رقم ہماری ہمت افزائی اور ترقی کا باعث ہوگی۔آپ اپنی رقم درج ذیل بینک میں جمع کرواسکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔آمین

Bank Name:
Lloyds Bank PLC
Account Name:
Lahore International LTD
Account Number:
42534160
Sort Code:
30-96-26
IBAN:
GB89 LOYD 3096 2642 5341 60

سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہیئے کہ حسن ظن کیا ہے؟ حسن کا مطلب ہے اچھا اور لفظ ظن اردو زبان میں عربی زبان سے ماخوذ ہے جہاں اس کے عام معنی کچھ گمان 'فرض' فکر خیال کرنے یا اندازہ لگانے کے ہوتے ہیں. اسی لئے جب کسی کے بارے میں کسی کا حسن ظن رکھنا کہا جاتا ہے تو اس سے مراد کسی کے بارے میں اچھا اور نیک خیال اور فکر رکھنا ہوتا ہے۔ ظن کے اس معنی کی بنیاد پر اور عربی میں سوء کے معنی برائی ہونے کے سبب اس کی ضد ''سوء ظن'' سے مراد کسی کے بارے میں برا یا ناپسندیدہ گمان خیال یا فکر رکھنا مانا جاتا ہے. دونوں صورتوں میں کیونکہ یہ انسانی فکر اور تصور سے متعلق ایک کیفیت ہوتی ہے اس لئے علم اخلاق میں کسی انسان کا ہر کسی کے بارے میں نیک اور اچھا تصور رکھنا ایک نیک اور صحتمند انسانی عادت مانی جاتی ہے جبکہ کسی کے بارے میں سوء ظن یعنی بغیر وجہ کے برا گمان یا خیال رکھنا ایک انسانی عیب اور برائی تصور کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے کہ:

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ o (الحجرات: ۱۳)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مومنوں میں محبت، پیار اور بھائی چارہ قائم کرنا چاہتا ہے اور یہ حسنِ ظن سے پیدا ہوتا ہے۔ پس فرمایا کہ بدظنی سے بچو بدظنی گمراہ کی طرف لے جاتی ہے جو نہ صرف انسان کی اپنی جان کے لئے نقصان دہ ہے بلکہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جو معاشرے کے امن کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ دلوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں پس خدا تعالیٰ نے اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ ایک ایسا گناہ جو انسان بعض اوقات اپنی انا کی تسکین کے لئے کر رہا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا تجسس نہ کرو، تجسس بھی بعض اوقات بدظنی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

حسن ظن اور سوئے ظن میں کیا فرق ہے؟ اگر آپ کسی آدمی کو روتا ہوا دیکھیں تو حسن ظن رکھنے والا شخص یہ کہے گا کہ اس پر کوئی مصیبت آن پڑی ہے اور مجھے اس کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے۔ اس کے برعکس سوئے ظن رکھنے والا شخص کہے گا کہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہے اس لئے اچھا ہوا جو بھی ہوا۔ آپ کی اس منفی سوچ کے سبب نہ صرف وہ شخص مزید پریشان ہو گا بلکہ اُلٹا اپنی اس عادت میں گھر جائے گا اور آپ سے بھی متنفر ہو جائے گا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم جہاں تک ہو سکے کسی سے متعلق بدگمانی کرنے سے بچیں کیونکہ یہ ایک گناہ بھی بن سکتی ہے اور جب تک کسی معاملے سے متعلق خوب وضاحت نہ ہو جائے ہم اپنی طرف سے قیاس آرائیاں نہ کریں بلکہ ہمیشہ ایک مثبت اور پائیدار سوچ کے مالک ہوں۔ پیارے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حسن الظن من حسن العبادۃ (مسند احمد و ابو داؤد)

ایک بہت پیارا اور حسن ظنی سے بھرپور واقعہ ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کا ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا مگر اس شخص نے بعد میں خدا کی قسم کھا کر انکار کر دیا۔ جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں تمہاری قسم پر اعتبار کرتا ہوں اور اپنے آپ کو جھٹلاتا ہوں یعنی آپؑ نے ایک شخص کے قسم کھا لینے پر کمال حسنِ ظن سے کام لیا حالانکہ آپ نے خود اسے دیکھا تھا مگر کسی قسم کی سختی اور جھگڑے سے کام نہ لیا اور معاملہ خدا تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔

حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اخلاقی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اکثر لوگوں میں بدظنی کا مرض بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کی نسبت برے برے خیالات کرنے لگتے ہیں اور ایسے عیوب اس کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہی عیب ان کی طرف منسوب ہوں تو ان کو سخت ناگوار معلوم ہوں۔ اس لئے اوّل ضروری ہے کہ حتّی الوسع اپنے بھائیوں پر بدظنی نہ کی جائے۔ اور ہمیشہ نیک ظن رکھا جائے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور انس پیدا ہوتا ہے۔ اور آپس میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے باعث انسان بعض دوسرے عیوب مثلاً کینہ، بغض، حسد سے بچا رہتا ہے۔'' (ملفوظات جلد ۴ ص ۲۱۵۔۲۱۴)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''نصیحت کے طور پر کہتا ہوں کہ اکثر سوء ظنیوں سے بچو (بدظنیوں سے بچو)۔ اس سے سخت سخن چینی اور عیب جوئی کی عادت بڑھتی ہے۔ (جب بدظنیاں کرو گے تو عیب تلاش کرنے کی عادت بھی پڑے گی)۔ اسی واسطے اللہ کریم فرماتا ہے {وَلَا تَجَسَّسُوْا} تجسس نہ کرو۔ تجسس کی عادت بدظنی سے پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کسی کی نسبت سوء ظن کرتا ہے یا بدظنی کرتا ہے تو اس کی وجہ سے ایک خراب رائے قائم کر لیتا ہے تو پھر کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے کچھ عیب بھی مجھے مل جائیں، اس کی کچھ برائیاں بھی نظر آ جائیں۔ اور پھر عیب جوئی کی کوشش کرتا اور اسی جستجو میں مستغرق رہتا ہے۔ (یعنی کہ اتنا ڈوب جاتا ہے عیب کی تلاش میں کہ جس طرح کوئی بہت اہم کام کر رہا ہے)۔ اور یہ خیال کر کے کہ اس کی نسبت مَیں نے جو یہ خیال ظاہر کیا ہے اگر کوئی پوچھے تو پھر اس کو کیا جواب دوں گا۔ (یعنی یہ سوچتا رہتا ہے کہ مَیں ایک دفعہ اس کے بارہ میں ایک رائے قائم کر چکا ہوں اگر کوئی اس کی دلیل مانگے تو تمہارے پاس اس کی برائی کا ثبوت کیا ہے تو جواب کیا دوں گا۔ تو اس جواب کو تلاش کرنے کے لئے مستقل اس جستجو میں رہتا ہے، اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس کی مزید برائیاں نظر آئیں۔ تو

فرماتے ہیں کہ اپنی بدظنی کو پورا کرنے کے لئے تجسس کرتا ہے، پھر تجسس سے غیبت پیدا ہوتی ہے جیسے اللہ کریم نے فرمایا کہ {وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا} غرض خوب یاد رکھو سوء ظن سے تجسس اور تجسس سے غیبت کی عادت شروع ہوتی ہے... اگر ایک شخص روزے بھی رکھتا ہے اور غیبت بھی کرتا ہے تجسس اور نکتہ چینیوں میں مشغول رہتا ہے تو وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے جیسے فرمایا {اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ}۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں کہ: ’’اس لئے مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور درد دل سے کہتا ہوں کہ غیبتوں کو چھوڑ دو بغض اور کینے سے اجتناب کرو اور بکلی پرہیز کرو اور بالکل الگ تھلگ رہو، اس سے بڑا فائدہ ہو گا۔ انسان خود بخود اپنے آپ کو پھندوں میں پھنسا لیتا ہے ورنہ بات سہل ہے، بڑی آسان بات ہے۔ جو لوگ دوسروں کی نکتہ چینیاں اور غیبتیں کرتے ہیں اللہ کریم ان کو پسند نہیں کرتا۔ اگر کسی میں کوئی غلطی دیکھو تو خدا تعالیٰ اس کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دیوے۔ یاد رکھو اللہ کریم {تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ} ہے۔ وہ معاف کر دیتا ہے۔ جب تک انسان اپنا نقصان نہ اٹھائے اور اپنے اوپر تکلیف گوارا نہ کرے کسی دوسرے کو سکھ نہیں پہنچا سکتا۔ (اس لئے) بدصحبتوں سے بکلی کنارہ کش ہو جاؤ۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انسان بعض اوقات بے خیالی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی کوئی بات کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بے انتہا بلند کر دیتا ہے اور بعض اوقات وہ لاپرواہی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی کوئی بات کر بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق باب حفظ اللسان...)

اب یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے، کہ فرمایا اگر اس قسم کی باتیں پہلے کر بھی چکے ہو، تو استغفار کرو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اپنے رویّے درست کرو، مَیں یقیناً بہت رحم کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ مجھ سے بخشش مانگو تو مَیں رحم کرتے ہوئے تمہاری طرف متوجہ ہوں گا۔ (خطبہ جمعہ 26/ دسمبر 2003ء فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بدظنی سے منع فرماتے ہوئے نصیحت کرتے ہیں کہ ’’بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی سخت قسم کا جھوٹ ہے اور بدظنی ایک ایسی چیز ہے جو بسا اوقات ہمارے معاشرے میں اتنی پائی جاتی ہے کہ بدظنی کے بعد پھر اور کہانیاں بنتی چلی جاتی ہیں۔ اور انسان کہتا ہے کہ فلاں نے یہ کام کیا یوں کیا ہوگا۔ ایسا بے ہودہ طریق ہے جو آنحضرت ﷺ کی کھلی نصائح کو ترک کرنے اور ان کو اہمیت نہ دینے کے نتیجے میں ہماری سوسائٹی میں رفتہ رفتہ پیدا ہوا جاتا ہے۔‘‘ (خطبہ جمعہ ۲۵ نومبر ۱۹۹۵ء)

حضرت عبداللہ بن بُسر بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حاسد، چغل خور اور کاہن مجھ میں سے نہیں اور مَیں ان میں سے نہیں۔ پھر ایک حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو انسان کو نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ میں پڑا ہوا شہتیر وہ بھول جاتا ہے۔ (یعنی بھائی کی چھوٹی سے چھوٹی برائی تو نظر آجاتی ہے اپنی بڑی بڑی برائیاں بھی نظر نہیں آتیں)۔ آج بھی دیکھ لیں چغل خور یا دوسروں کی غیبت کرنے والے، بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے والے خود ان تمام برائیوں میں بلکہ ان سے بڑھ کر برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں جو وہ اپنے بھائی کے متعلق بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ اور پھر ان کی بے شرمی کی یہ بھی انتہا ہے کہ ان کی برائیوں کا کھلے عام بعض لوگوں کو علم بھی ہوتا ہے پھر بھی ان کو شرم نہیں آرہی ہوتی کہ ہم پہلے اپنی اصلاح کریں بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کی برائیاں کریں۔ سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ اگر صحیح درد ہے معاشرے کا، معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، صرف مزے لینے کے لئے اور لوگوں کی ٹانگیں کھینچنے کے لئے باتیں نہیں کہ ان کو لوگوں کی نظروں سے گراؤں، افسروں کی نظروں سے گراؤں اور اپنی پوزیشن بناؤں۔ تو ایسے لوگ بھی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ اس نصیحت پر عمل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر تو اپنے کسی ساتھی کے عیوب بیان کرنا چاہتا ہے تو پہلے ایک نظر اپنے عیوب پر ڈال لے۔ کسی کے عیب بیان کرنے سے پہلے اپنے عیبوں پر نظر ڈالو۔

اسی بارہ میں حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے ایک شعر میں فرمایا کہ:

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

آنحضرت ﷺ سے غیبت کا حال کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ کسی کی سچی بات کا اس کی عدم موجودگی میں اس طرح بیان کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اسے برا لگے۔ پیچھے سے کسی کی بات چاہے وہ صحیح ہو اس طرح بیان کرنا کہ اگر اس کے سامنے کرتے تو اس کو برا لگتا، غیبت ہے۔ اور اگر وہ بات اس میں نہیں اور پھر تم بیان کر رہے ہو تو یہ بہتان ہے، یہ جھوٹ ہے، اس پر الزام ہے۔ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ بیعت کی خالص اغراض کے ساتھ جو خدا ترسی اور تقویٰ پر مبنی ہیں، دنیا کے اغراض کو ہرگز نہ ملاؤ، نمازوں کی پابندی کرو اور توبہ و استغفار میں مصروف رہو۔ نوعِ انسان کے حقوق کی حفاظت کرو اور کسی کو دُکھ نہ دو۔ راستبازی اور پاکیزگی میں ترقی کرو تو اللہ تعالیٰ ہر قسم کا فضل کر دے گا۔ عورتوں کو بھی اپنے گھروں میں نصیحت کرو کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور ان کو گلہ شکوہ اور غیبت سے روکو۔ پاکبازی اور راستبازی ان کو سکھاؤ، ہماری طرف سے صرف سمجھانا شرط ہے اس پر عملدرآمد کرنا تمہارا کام ہے‘‘۔ (الحکم ۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۳ء، ملفوظات جلد ششم صفحہ ۱۴۶)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ اور غیبت جو ایسی بیماری ہے جو بعض دفعہ غیر محسوس طریق پر اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اس سے سب کو بچائے۔ بہر حال جس طرح فرمایا ہے استغفار کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری بخشش کے سامان پیدا فرمائے اور ہماری توبہ قبول فرمائے۔ آمین

اُمّ المؤمنین
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

قسط دوم

ایک اعتراض کا جواب

یہاں حضرت زینبؓ کی شادی کے بارہ میں بعض بے بنیاد روایات کا ردّ کرنا بھی ضروری ہے۔ جو علامہ زمخشری، امام حاکم اور علامہ سیوطی وغیرہ مفسرین و محدثین کی کتب کے ذریعہ اسلامی لٹریچر میں در آئے، ایسی روایات کو اسلام دشمن عناصر نے خوب اچھالا اور ان سے اپنے مقاصد مزعومہ اور فوائد مذمومہ حاصل کرنا چاہا ہے۔ ان کا تذکرہ بھی کوئی عاشق رسولؐ گوارا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ان باتوں کو ایک عام شخص کی طرف منسوب کرنا بھی زیب نہیں دیتا کجا یہ کہ رسول اللہؐ کے بارہ میں ایسا خیال کیا جائے۔ پھر جب قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت زینبؓ کی شادی کئی رسوم جاہلیت کو کالعدم کرنے کے لحاظ سے خالصۃً الٰہی منشاء کے ماتحت ہوئی۔ تو ایسی روایات کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔

انہیں بے سروپا روایات کی بناء پر ایک بیہودہ اعتراض مشہور مستشرق ولیم میور نے بھی کیا۔ وہ لکھتا ہے:۔

We have already made acquaintance with Zeid, the Prophet's freed-man and adopted son. His wife Zeinab, now over thirty years of age, was fair to look upon. On a certain day,the Prophet visited , as he often did , their house. Zeid being absent, Zeinab invited him to enter, and, starting up in her loose and scanty dress, made haste to array herself for his reception. But the beauties of her figure through the half-opened door had already unveiled themselves too freely before the licentious gaze of Mahomet. He was smitten by the sight: ...There might be little scandal according to Arab morals in seeking the hand of a married woman whose husband had no wish to retain her; but the husband in the present case was Mahomet's son, and even in Arabia such a union was unlawful. Still the passion for Zeinab could not be smothered ; it continued to burn within the heart of Mahomet, and at last, bursting forth, scattered his scruples to the winds. Sitting one day with Ayesha, the prophetic ecstasy appeared to come over him. As he recovered, he smiled joyfully and said : 'Who will go and congratulate Zeinab, and say that the Lord hath joined her unto me in marriage ? "

ترجمہ: نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ حسب معمول زید اور زینب کے گھر گئے تو زید کو موجود نہ پایا۔ زینب جو تقریباً 30 سال کی ایک خوبصورت عورت تھی اس نے آپؐ کو اندر آنے کی اجازت دیدی۔ اور اپنے مختصر اور کھلے لباس میں آپؐ کے استقبال کیلئے آگے بڑھیں مگر اس سے قبل ہی محمد (ﷺ) کی چاہت بھری نظریں آدھے کھلے دروازے سے زینب کے خوبصورت خدوخال پر پڑ چکی تھیں۔ آپ اس نظارہ سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکے۔...زید کے طلاق دینے کے بعد عرب کے رسم و رواج کی وجہ سے آپؐ اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن محمد (ﷺ) کے دل میں محبت کی آگ اب بھی اسی طرح بھڑک رہی تھی۔ آخر کار ایک دن آپ عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی اور خوش ہو کر یہ کہا کہ کون زینب کو مبارکباد دیگا کہ خدا نے اسے میرے عقد میں دیدیا ہے"

اس قسم کے اعتراضات کا کافی وشافی جواب اس زمانہ کے امام اور رسول اللہ ﷺ کے عاشق صادق حضرت بانی جماعت احمدیہ نے کیا خوب دیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:۔

"ان مفتری لوگوں نے اعتراض کی بناء دو باتیں ٹھہرائی ہیں (۱) یہ کہ متبنّٰی اگر اپنی جورو کو طلاق دے دیوے تو متبنّٰی کرنے والے کو اس عورت سے نکاح جائز نہیں (۲) یہ کہ زینب آنحضرت ﷺ کے نکاح سے ناراض تھی تو گویا آنحضرت ﷺ نے زینب کے معقول عذر پر یہ بہانہ گھڑا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے سو ہم ان دو باتوں کا ذیل میں جواب دیتے ہیں۔ امر اول کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ متبنّٰی کرتے ہیں ان کا یہ دعویٰ سراسر لغو اور باطل ہے کہ وہ حقیقت میں بیٹا ہو جاتا ہے اور بیٹوں کے تمام احکام اس کے متعلق ہوتے ہیں... ظاہر ہے کہ کسی شخص کے دو باپ تو نہیں ہو سکتے پس اگر متبنّٰی بنانے والا حقیقت میں باپ ہو گیا ہے تو یہ فیصلہ ہونا چاہئے کہ اصلی باپ کس دلیل سے لادعویٰ کیا گیا ہے۔

غرض اس سے زیادہ کوئی بات بھی بیہودہ نہیں کہ خدا کی بنائی ہوئی حقیقتوں کو بدل ڈالنے کا قصد کریں... یہ بھی یاد رہے کہ زید جو زینب کا پہلا خاوند تھا وہ دراصل آنحضرت ﷺ کا غلام تھا آپؐ نے اپنے کرم ذاتی کی وجہ سے اس کو آزاد کر دیا اور بعض دفعہ اس کو بیٹا کہا تا غلامی کا داغ اس پر سے جاتا رہے چونکہ آپؐ کریم النفس تھے اس لئے زید کو قوم میں عزت دینے کے لئے آپؐ کی یہ حکمت عملی تھی مگر عرب کے لوگوں میں یہ رسم پڑ گئی تھی کہ اگر کسی کا استاد یا آقا یا مالک اس کو بیٹا کر کے پکارتا تو وہ بیٹا ہی سمجھا جاتا یہ رسم نہایت خراب تھی اور نیز ایک بیہودہ وہم پر اس کی بناء تھی کیونکہ جبکہ تمام انسان بنی نوع ہیں تو اس لحاظ سے جو برابر کے آدمی ہیں وہ بھائیوں کی طرح ہیں اور جو بڑے ہیں وہ باپوں کی مانند ہیں اور چھوٹے بیٹوں کی طرح ہیں... اب جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے ہی یہ حکم فرما دیا تھا کہ تم پر صرف ان بیٹوں کی عورتیں حرام ہیں جو تمہارے صلبی بیٹے ہیں۔ جیسا کہ یہ آیت ہے۔

وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ۔ یعنی تم پر فقط ان بیٹوں کی جوروان حرام

ہیں جو تمہاری پشت اور تمہارے نطفہ سے ہوں۔ پھر جبکہ پہلے سے یہی قانون تعلیم قرآنی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو چکا ہے اور یہ زینب کا قصہ ایک مدت بعد اس کے ظہور میں آیا۔ تو اب ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ قرآن نے یہ فیصلہ اسی قانون کے مطابق کیا جو اس سے پہلے منضبط ہو چکا تھا۔ قرآن کھولو اور دیکھو کہ زینب کا قصہ اخیری حصہ قرآن میں ہے مگر یہ قانون کہ متبنّٰی کی جورو حرام نہیں ہوسکتی یہ پہلے حصہ میں ہی موجود ہے اور اس وقت کا یہ قانون ہے کہ جب زینب کا زید سے ابھی نکاح بھی نہیں ہوا تھا تم آپ ہی قرآن شریف کو کھول کر ان دونوں مقاموں کو دیکھ لو اور ذرہ شرم کو کام میں لاؤ...

اور دوسری جزء جس پر اعتراض کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ زینب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کیا تھا صرف زبردستی خدا تعالیٰ نے حکم دے دیا... یہ ایک نہایت بدذاتی کا افتراء ہے جس کا ہماری کتابوں میں نام ونشان نہیں... سو قرآن یا بخاری اور مسلم سے اس بات کا ثبوت دیں کہ وہ نکاح زینب کے خلاف مرضی پڑھا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں زینب زید سے جو آنحضرتؐ کا غلام آزاد تھا راضی نہ تھی اور اسی بناء پر زید نے تنگ آ کر طلاق دی تھی اور زینب نے خود آنحضرتؐ کے گھر میں ہی پرورش پائی تھی اور آنحضرتؐ کے اقارب میں سے اور ممنون منت تھی تو زینب کے لئے اس سے بہتر اور کونسی مراد اور کونسی فخر کی جگہ تھی کہ غلام کی قید سے نکل کر اس شاہ عالم کے نکاح میں آوے جو خدا کا پیغمبر اور خاتم الانبیاء اور ظاہری بادشاہت اور ملک داری میں بھی دنیا کے تمام بادشاہوں کا سرتاج تھا جس کے رعب سے قیصر اور کسریٰ کانپتے تھے... اور قرآن شریف بیان فرماتا ہے کہ آنحضرتؐ اس رشتہ سے طبعاً نفرت رکھتے تھے اور روز کی لڑائی دیکھ کر جانتے تھے کہ اس کا انجام ایک دن طلاق ہے چونکہ یہ آیتیں پہلے سے وارد ہو چکی تھیں کہ منہ بولا بیٹا در اصل بیٹا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ کی فراست اس بات کو جانتی تھی کہ اگر زید نے طلاق دے دی تو غالباً خدا تعالیٰ مجھے اس رشتہ کے لئے حکم کرے گا تا لوگوں کے لئے نمونہ قائم کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ قصہ قرآن شریف میں بعینہٖ درج ہے۔ پھر پلید طبع لوگوں نے جن کی بدذاتی ہمیشہ افترا کرنے کی خواہش رکھتی ہے خلاف واقعہ یہ باتیں بنائیں کہ آنحضرت ﷺ خود زینب کے خواہشمند ہوئے حالانکہ زینب کچھ دور سے نہیں تھی کوئی ایسی عورت نہیں تھی جس کو آنحضرت ﷺ نے کبھی نہ دیکھا ہو یہ زینب وہی تو تھی جو آنحضرت ﷺ کے گھر میں آپ کی آنکھوں کے آگے جوان ہوئی اور آپ نے خود نہ کسی اور نے اس کا نکاح اپنے غلام آزاد کردہ سے کر دیا اور یہ نکاح اس کو اور اس کے بھائی کو اوائل میں نامنظور تھا اور آپ نے بہت کوشش کی یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئی۔ ناراضگی کی یہی وجہ تھی کہ زید غلام آزاد کردہ تھا۔ پھر یہ کس قدر بے ایمانی اور بدذاتی ہے جو واقعات صحیحہ کو چھوڑ کر افترا کئے جائیں... اور یہ بات جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نکاح پڑھ دیا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ نکاح میری مرضی کے موافق ہے اور میں نے ہی چاہا ہے کہ ایسا ہو تا مومنوں پر حرج باقی نہ رہے۔

عبادت گزاری

حضرت زینبؓ بنت جحش بہت دعا گو اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت زینبؓ کے گھر میں تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے دیکھا کہ حضرت زینبؓ بہت انہماک سے نماز میں مصروف ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی خشیّت اور تضرّع کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ زینب بہت ہی دردمند دل رکھنے والی خاتون ہیں۔

دوسری روایت کے مطابق حضورؐ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! آپ نے حضرت زینبؓ کے لئے اوّاہ کا لفظ فرمایا ہے۔ اس سے کیا مطلب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس سے انتہائی خشوع وخضوع، دردمند دل اور تضرّع وعاجزی کی حالت مراد ہے۔ یقیناً ابراہیم بہت ہی بردبار، نرم دل (اور) جھکنے والا ہے۔

جود وسخا

حضرت زینبؓ بنت جحش بہت سخاوت کرنے والی اور مسکینوں اور غریبوں کا بے حد خیال رکھنے والی تھیں۔ دست کاری کی صنعت اور ہنر سے آپ واقف تھیں۔ ہاتھ سے کام کرنے کو ترجیح دیتی تھیں۔ جانوروں کی کھالیں وغیرہ رنگنے اور بعض اور چیزیں بنانے سے کچھ کما لیتی تھیں اور اس سے جو آمدن ہوتی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بات بہت پسند تھی بعض مواقع پر اس بارے میں دیگر ازواج مطہرات کے سامنے حضرت زینبؓ بنت جحش کی آپؐ نے تعریف بھی فرمائی۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضرت زینبؓ بنت جحش اس گھریلو مجلس میں موجود تھیں جس میں آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر موجود اپنی ازواج سے فرمایا کہ أَسْرَعُكُنَّ لَحَاقًا بِي أَطْوَلُكُنَّ يَدًا یعنی میری وفات کے بعد سب سے پہلے جو بیوی مجھے آ کر ملے گی وہ لمبے ہاتھوں والی ہے۔ ازواج مطہرات ظاہری ہاتھوں کی لمبائی مراد لیتے ہوئے حضورؐ کے سامنے ہی دیوار پر ہاتھ رکھ کر ماپنے لگیں۔ حضرت سودہؓ کے ہاتھ لمبے نکلے جبکہ حضرت زینبؓ بنت جحش کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے مگر حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت زینبؓ بنت جحش سب سے پہلے فوت ہوئیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے کیا خوب تبصرہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب ازواج ہاتھ ماپ رہی تھیں تو لمبے ہاتھوں کی حقیقت واضح نہ تھی۔ مگر اب حضور ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت زینبؓ کی وفات سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ لمبے ہاتھوں سے مراد، ان کا صدقہ وغیرہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا تھا۔ ان کے وہ لمبے ہاتھ جو غریبوں کے گھروں میں پہنچ کر ان کی ضروریات پوری کرتے تھے۔

حضرت زینبؓ کی مال سے بے نیازی اور استغناء کا عجب عالم تھا۔ حضرت عمرؓ کے

زمانہ خلافت میں جب اموال غنیمت آئے تو انہوں نے حضرت زینبؓ بنت جحش کی خدمت میں ان کا حصہ بھی بھجوایا۔ وہ اتنا زیادہ تھا کہ حضرت زینبؓ بنت جحش سمجھیں کہ ساری ازواج کا حصہ تقسیم کرنے کے لئے میرے پاس بھجوایا ہے۔ بڑی سادگی سے فرمانے لگیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کو بخشش عطا فرمائے۔ ساری بیویوں کا مال تقسیم کے لئے مجھے بھجوانے سے بہتر تھا کہ وہ کسی اور بیوی کو بھجواتے جو زیادہ بہتر رنگ میں اسے تقسیم کرتیں۔ جب بتایا گیا کہ یہ تو صرف آپؓ کے لئے ہے تو فرمایا کہ سبحان اللہ، اتنا زیادہ مال میرے لئے بھجوادیا ہے۔ پھر آپؓ نے اسے کھولنا بھی پسند نہیں فرمایا اور وہ درھم و دینار گھر کے کسی کونے میں پھینکوا کر اوپر کپڑا ڈال دیا۔ اور وہ خادمہ جو وہ مال لے کر آئی تھیں ان سے فرمایا کہ اس میں ہاتھ ڈال کر جتنا ہاتھ میں آتا ہے نکال لو۔ پھر وہ بعض ایسے مستحقین کو بھجوایا جو یتیم بچے تھے اور ان سے آپؓ کا رحمی رشتہ بھی تھا۔ پھر مسلسل ایک کے بعد دوسرے گھر میں بھجواتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب تھوڑا سا بچ گیا تو تقسیم کرنے والی خاتون برزہ بنت رافع نے کہا" اے امّ المومنین! اب تو بہت تھوڑا سا مال رہ گیا ہے۔ اس مال میں آپؓ کا بھی حق تھا اور آپؓ نے تو سارے کا سارا تقسیم کر دیا"۔ اس پر فرمانے لگیں! کہ اچھا جو باقی رہ گیا ہے وہ سارا تمہارا ہے۔ برزہ کہتی ہیں کہ میں نے اسے نکال کر شمار کیا تو صرف پچاسی درہم باقی بچے تھے وہ بھی حضرت زینبؓ نے مجھے عطا کر دیئے۔ پھر حضرت زینبؓ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر کہنے لگیں کہ اے اللہ! اس سال کے بعد میں یہ مال لینا نہیں چاہتی۔ گویا انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ اتنا مال ان کے گھر میں آئے اور پھر اس سے اگلے ہی سال حضرت زینبؓ کی وفات ہوگئی اور وہ اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئیں۔

حضرت عائشہؓ کا خراج تحسین

آپؓ کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے کیا خوبصورت خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آج ایک ایسی ہستی ہم سے جدا ہو گئی جو بہت ہی تعریفوں کے لائق تھی۔ جو غریبوں کو اور مستحقین کو بہت ہی فائدہ پہنچانے والی تھیں، یعنی حضرت زینبؓ۔ آج ان کی وفات سے واقعۃً بیوگان اور یتیموں کو ایک دھچکا لگا ہے اور ان کو ان کی وفات کا صدمہ ہوا ہے۔ یہ آپؓ ہی تھیں جو غریبوں کا خیال رکھتیں اور بیوگان کے حقوق ادا کرنے والی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں آپؓ پر ہوں۔

اخلاق فاضلہ

حضرت زینبؓ بنت جحش نہایت اعلیٰ اخلاق فاضلہ کی مالک تھیں۔ آپؓ کی سچائی، دیانت، صلہ رحمی اور دیگر بیویوں سے حسن سلوک کے بارہ میں حضرت عائشہؓ نے بھی خوب دل کھول کر تعریف کی ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ کے درمیان آنحضور ﷺ کی شفقتوں کا زیادہ مورد بننے کے لئے باہم ایک مقابلہ بھی ہوتا تھا۔ پھر بھی حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ " واقعہ افک " میں جب مجھ پر الزام لگایا گیا، تو حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ بھی اس میں شریک ہو گئیں، مگر جہاں تک حضرت زینبؓ کی اپنی ذات کا تعلق ہے ان سے جب آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ اس حوالہ سے آپؓ کی حضرت عائشہؓ کے بارہ میں کیا رائے ہے؟ تو جو خوبصورت جواب انہوں نے دیا وہ ان کی سچائی اور راست بازی اور وسیع النظری پر دلیل ہے۔ کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے تو کبھی اپنی آنکھوں اور کانوں سے کوئی ایسی بات دیکھی نہ سنی۔ اور خدا کی قسم! میں نے عائشہؓ سے سوائے خیر اور بھلائی کے کبھی کچھ نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہؓ کو ان کی اس حق گوئی کی بڑی قدر تھی اور وہ حضرت زینبؓ کی تعریف کیا کرتی تھیں جبکہ ان کی بہن شاید بزعم خویش حضرت زینبؓ ہی کی غیرت کی خاطر حضرت عائشہؓ کے بارہ میں مخالفانہ رائے رکھتی تھیں۔ اس موقع پر بھی حضرت زینبؓ نے جادہ اعتدال اور سچائی کا دامن نہیں چھوڑا: حضرت عائشہؓ خود فرمایا کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے زینبؓ وہ تھیں جو میرے ساتھ مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ مگر خدا کی قسم! کہ میں نے زینبؓ سے بہتر کوئی اور عورت نہیں دیکھی جو اتنی متقی، پارسا اور سچی ہو۔ اتنی زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والی اور صدقہ دینے والی ہو۔ وہ اپنی محنت کی کمائی سے اللہ کی راہ میں اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے صدقہ دیا کرتی تھیں۔ ;

اطاعت شعاری

حضرت زینبؓ بنت جحش کی سیرت میں اطاعت رسولؐ کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جن پرانی رسموں کا خاتمہ کیا ان میں عربوں کا کسی کی وفات پر بین کرنا اور سوگ وغیرہ بھی شامل تھا۔ حضورؐ نے ان بد رسوم سے منع کیا۔ حضرت زینبؓ کا اس بارہ میں نہایت پاک نمونہ تھا۔ چنانچہ جب آپؓ کے حقیقی بھائی کی وفات ہوئی تو آپؓ نے تیسرے دن خوشبو منگوا کر استعمال کی اور چہرے پر پاؤڈر وغیرہ استعمال کرکے فرمانے لگیں کہ مجھے اس عمر میں بننے سنورنے کی کوئی حاجت یا ضرورت تو نہیں مگر آج میں اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کے ایک حکم کی تعمیل کی خاطر ایسا کر رہی ہوں چونکہ میں نے آپؐ کو ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تین دن سے زیادہ کسی بھی میت پر سوگ نہ کیا جائے۔ سوائے اپنے خاوند کے کہ جس کے لئے بیوہ کو چار ماہ اور دس دن جو عدّت کا زمانہ سوگ میں گزارنا ہوتا ہے۔ اس لئے آج اگرچہ میرا بہت ہی پیارا اور عزیز بھائی فوت ہوا ہے۔ میں حضورؐ کے اس حکم کے مطابق تیسرے دن کے بعد اپنا سوگ ختم کرتی ہوں۔ یہ حضرت زینبؓ کا ہی اطاعت اور وفا شعاری کا ایک اظہار ہے۔

روایات احادیث

حضرت زینبؓ بنت جحش سے کئی احادیث بھی مروی ہیں۔ آپؓ بیان فرماتی

ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ میرے گھر میں تشریف لائے۔آپ کچھ گھبرائے ہوئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضور ﷺ کو وحی الہٰی کے ذریعے عرب کے مستقبل سے متعلق اطلاع دی گئی تھی۔آپؐ نے فرمایا کہ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ عربوں کے لئے ہلاکت ہے اس شر اور مصیبت کی وجہ سے جو بہت قریب آ گیا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ آج یاجوج ماجوج کے فتنہ میں سے اتنے سے معمولی سوراخ کے برابر فتنہ ظاہر ہوا ہے۔ آپؐ نے انگشت شہادت اور انگوٹھے کو ملا کر سوراخ کی مقدار بیان کی اور فرمایا کہ ابھی تو بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے اور بہت ہلاکتیں ہوں گی۔حضرت زینبؓ بنت جحش نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارے اندر نیک لوگ موجود ہونگے اس کے باوجود پھر بھی یہ تباہی اور ہلاکت ہم پر آنے والی ہے۔حضورؐ نے فرمایا کہ جب پلیدی اور برائی بڑھ جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی یہ تقدیر پوری ہو کر رہے گی۔

وفات

حضرت زینبؓ بنت جحش کا انتقال حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں 20 ھ میں ہوا۔آپؓ کی عمر 53 برس تھی۔حضرت عمرؓ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ اتنی بلند پایہ بزرگ اور امّ المومنین کی تدفین کے موقع پر ان کی قبر میں وہ خود داخل ہوں۔ انہوں نے ازواج مطہرات کو پیغام بھجوا کر پوچھا کہ ان کی قبر میں داخل ہونے کے لئے کون زیادہ مستحق ہے۔ازواج نے پیغام بھیجا کہ جو ان کی زندگی میں ان کے گھر میں داخل ہوسکتا تھا وہ آج ان کی قبر میں بھی داخل ہوسکتا ہے۔چنانچہ حضرت عمرؓ خود ان کی قبر میں اترے۔اور بہت اعزاز و احترام کے ساتھ ان کی تدفین کروائی۔پہلے آپؓ نے یہ اعلان کروایا کہ ان کے جنازے کے ساتھ صرف ان کے رحمی رشتہ دار ہی جائیں گے۔حضرت عمرؓ کا مقصود یہ تھا کہ بوقت وفات بھی امّ المومنین کے احترام میں جنازہ کے لئے بھی حجاب کا اہتمام ہو اور اسی کے ساتھ حضرت زینبؓ کی تدفین ہو۔لیکن جب حضرت اسماءؓ بنت عمیس نے نہایت عمدہ مشورہ دیا کہ اگر آپؓ یہ سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ کی تدفین بہرحال پردہ کے اہتمام کے ساتھ ہونی چاہئے تو آپؓ ایک تابوت میں ان کی نعش رکھ کر جنت البقیع میں لے جائیں اور وہاں ان کی تدفین ہوجائے۔حضرت عمرؓ کو یہ رائے بہت پسند آئی اور آپؓ نے تابوت کا انتظام کر کے اعلان کروایا کہ تمام اصحاب رسولؐ جنازہ کے ساتھ آ کر تدفین میں شامل ہو سکتے ہیں۔

حضرت زینبؓ بنت جحش کی تدفین جنت البقیع میں ترپّن 53 برس کی عمر میں ہوئی۔

(بحوالہ اہل بیت رسول ﷺ از حافظ مظفر احمد صاحب)

❁❁❁

ادارتی پالیسی

آبگینے خواتین ڈائجسٹ کی ادارتی پالیسی واضح ہے مذہبی اور غیر مذہبی نقطۂ نظر پر اور اظہار آزادی پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی، تعصب اور عصبیت سے پاک ہے۔اس کا کسی طبقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ آیئے اپنا مؤقف بلا خوف و خطر بیان کیجیے۔لیکن دوسروں کے جذبات کا احترام آپ کا اور ہمارا اخلاقی فرض ہے۔اپنا مضمون یا منظوم کلام ہمیں بھیجنے سے قبل اس کو اچھی طرح سے پڑھ لیں تاکہ کمپوزنگ (ٹائپ) کی غلطیاں آپ خود نکال سکیں۔تحریر میں غلطیاں کم ہونے کی صورت میں جلد قابل اشاعت ہوگی۔یاد رہے متن میں تبدیلی کرنا ایڈیٹر کا اختیار ہوتا ہے ضروری امر یہ ہے کہ مضمون یا کلام وہی قابل اشاعت ہوگا جو پہلے کسی اخبار یا انٹرنیٹ سوشل میڈیا پر شائع نہ ہوا ہو۔علاوہ ازیں آپکی تحریر ایک ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہو بعض صورتوں میں استثناء دیا جاسکتا ہے۔
اُمید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ

مدرّہ عباسی
مدیرہ

اعانت

آبگینے خواتین ڈائجسٹ رسالہ کی توسیع اشاعت میں حصہ لینا آپکا قومی فرض ہے اور اسکے اعانت فنڈ میں اپنا حصہ ڈالیں۔
(ادارہ)

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي

تحریر خنساء رفعت انگلینڈ

رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے چند نہایت اہم پہلوؤں میں سے ایک پہلو خواتین سے حسن سلوک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں رسول اکرم ﷺ کی وہ ذات گرامی ہی ہے جس نے اللہ تعالی کی رہنمائی میں عورتوں کی صحیح تربیت کی شناخت کی، اللہ کے رسول نے عورت کو جو عزت وعظمت کا مقام دیا، جس طرح اس کے حقوق کا خیال رکھا اس کی مثال نہیں ملتی، آپؐ نے حصولِ علم کو مرد کی طرح عورت کے لئے بھی واجب قرار دیا، آپؐ نے مختلف احادیث میں عورت کے ساتھ بہترین سلوک کی تلقین کی، آپؐ نے فرمایا: عورتیں مردوں کا نصف حصہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی تین سب سے قیمتی متاع ہیں: (۱) نماز۔ (۲) خوشبو۔ (۳) عورت۔

نبی کریم ﷺ نے صرف غلاموں کو ہی آقا کے برابر کھڑا نہیں کیا بلکہ صدیوں سے ظلم و ستم کا شکار بنی عورت کو عزت و شرف کے سب سے اونچے مقام پر بٹھا کر عورتوں کو ان کا جائز مقام دلایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کائنات کا یہ ارشاد نقل فرمایا: ہم نے انسان کو ایک جان سے پیدا کیا، اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان کے درمیان محبت پیدا فرمائی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عورتوں کے بارے میں میری طرف سے نصیحت قبول کرو، تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اچھے اخلاق والا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہو“۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپؐ کے اہل بیت کا بیان ہے کہ آپؐ گھر میں بلند آواز سے کلام نہیں کرتے۔ نہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر برا مناتے ہیں بلکہ ایک لازوال بشاشت اور غیر مفتوح مسکراہٹ ہے۔ ازواج کہتی ہیں آپؐ سب سے نرم خُو، اخلاق کریمانہ کی بارشیں برسانے والے بہت ہنسنے والے اور بہت مسکرانے والے ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد اول)

حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کوئی درشت کلمہ اپنی زبان پر نہ لاتے۔ نیز فرماتی ہیں کہ آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ نرم خو تھے اور سب سے زیادہ کریم۔ عام آدمیوں کی طرح بلا تکلف گھر میں رہنے والے، آپؐ نے منہ پر کبھی تیوری نہیں چڑھائی ہمیشہ مسکراتے ہی رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا یہ بھی بیان ہے کہ اپنی ساری زندگی میں آنحضرتؐ نے اپنے کسی خادم یا بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ (شمائل الترمذی باب فی خلق رسول اللہ ﷺ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ

جب میں بیاہ کر آئی تو میں حضورؐ کے گھر میں بھی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری سہیلیاں بھی تھیں جو میرے ساتھ مل کر گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ جب حضورؐ گھر تشریف لاتے (اور ہم کھیل رہی ہوتیں) تو میری سہیلیاں حضورؐ کو دیکھ کر ادھر اُدھر کھسک جاتیں لیکن حضورؐ ان سب کو اکٹھا کر کے میرے پاس لے آتے اور پھر وہ میرے ساتھ مل کر کھیلتی رہتیں۔ (صحیح بخاری کتاب الادب) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ جب حضورؐ جنگ تبوک سے واپس آئے یا شاید یہ اس وقت کی بات ہے جب حضورؐ خیبر سے واپس آئے تو میرے پاس تشریف لائے۔ ان کے صحن میں ایک جگہ پردہ لٹک رہا تھا ہوا کا ایک جھونکا آیا تو اس پردہ کا ایک سرا ہٹ گیا۔ اس پردہ کے پیچھے حضرت عائشہؓ کی گڑیاں رکھی تھیں پردہ ہٹا تو وہ نظر آنے لگیں۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا عائشہؓ یہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری گڑیاں ہیں۔ حضورؐ کی نظر پڑی تو دیکھا کہ ان گڑیوں کے درمیان میں ایک گھوڑا کھڑا ہے جس کے چمڑے کے پر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے ان گڑیوں کے درمیان کیا نظر آرہا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ گھوڑا ہے۔ آپؐ نے پوچھا (پروں کی طرف اشارہ کر کے) کہ گھوڑے کے اوپر یہ کیا چیز ہے۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ پر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا بھئی تعجب ہے پروں والا گھوڑا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان کا بھی ایک گھوڑا تھا جس کے بہت سے پر تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو حضورؐ بے اختیار ہنس پڑے اور ایسی شگفتہ کھلی ہوئی ہنسی تھی کہ حضورؐ ہنسے تو دہن مبارک اتنا کھل گیا کہ مجھے حضورؐ کے سامنے کے آخری دانت بھی نظر آنے لگے۔ (بخاری کتاب الادب)

حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی آپؐ نے کئی سال تک دوسری بیوی نہیں کی اور ہمیشہ محبت اور وفا کے جذبات کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا محبت بھرا سلوک یاد کیا۔ آپؐ کی ساری اولاد جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھی اس کی تربیت و پرورش کا خوب لحاظ رکھا۔ نہ صرف ان کے حقوق ادا کئے بلکہ خدیجہؓ کی امانت سمجھ کر ان سے کمال درجہ محبت فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ کی آواز کان میں پڑتے ہی کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے اور خوش ہو کر فرماتے خدیجہؓ کی بہن ہالہ آئی ہے۔ گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو اُس کا گوشت حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں میں بھجوانے کی تاکید فرماتے۔ الغرض آپؐ خدیجہؓ کی وفاؤں کے تذکرے کرتے تھکتے نہ تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ”مجھے کبھی کسی زندہ بیوی کے ساتھ اتنی غیرت

نہیں ہوئی جتنی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہوئی حالانکہ وہ میری شادی سے تین سال قبل وفات پا چکی تھیں۔ ” کبھی تو میں اُکتا کر کہہ دیتی یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی اچھی بیویاں عطا فرمائی ہیں اب اس بڑھیا کا ذکر جانے بھی دیں۔ آپؐ فرماتے ”نہیں نہیں خدیجہؓ اُس وقت میری سِپر بنیں جب میں بے یارومددگار تھا۔ وہ اپنے مال کے ساتھ مجھ پر فدا ہوگئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا کی۔ انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے جھٹلایا۔“ (مسلم کتاب الفضائل)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ عسفان سے واپسی کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضورؐ کے پیچھے اونٹنی پر حضرت صفیہؓ بیٹھی ہوئی تھیں۔ اونٹنی کے ٹھوکر کھانے کی وجہ سے دونوں گر پڑے۔ ابوطلحہ حضورؐ کو سہارا دینے کے لئے لپکے۔ حضورؐ نے فرمایا علیک المراۃ پہلے عورت کا خیال کرو۔ ابوطلحہؓ یہ سن کر منہ پر کپڑا ڈال کر حضرت صفیہ کے پاس آئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔ پھر ان دونوں کے لئے سواری کو درست کیا۔ حضورؐ اور حضرت صفیہؓ اُس پر سوار ہو گئے۔ (بخاری کتاب الجھاد حدیث نمبر 2856)

حضورؐ کا فرمان کیسا عجیب ہے میرا خیال چھوڑ و عورت کی خبر لو، گویا Ladies First کا محاورہ سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جاری ہوا۔

ایک سفر میں آپؐ کی بیویاں اونٹوں پر سوار تھیں کہ حدی خواں انجشہ نامی نے اونٹوں کو تیز ہانکنا شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ فرمانے لگے ” اے انجشہ! تیرا بھلا ہو۔ ان نازک شیشوں کا خیال رکھنا۔ ان آبگینوں کو ٹھوکر نہ لگے۔ یہ شیشے ٹوٹنے نہ پائیں۔ اونٹوں کو آہستہ ہانکو“۔ اس واقعہ کے ایک راوی ابو قلابہؓ بیان کیا کرتے تھے کہ دیکھو رسول اللہؐ نے عورتوں کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو شیشے کہا۔ یہ محاورہ اگر کوئی اور استعمال کرتا تو تم لوگ عورتوں کے ایسے خیر خواہ کو کب جینے دیتے ضرور اسے ملامت کرتے۔ (مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ النبیؐ حدیث نمبر 4287)

جس طرح گلاس کے پیکٹ پر لکھا ہوتا ہے Handle With Care اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محاورہ عورت کے لئے ایجاد فرمایا تھا۔

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اہل کے ساتھ اس بے پناہ محبت اور پذیرائی کے سلوک کے صرف چند لمحوں کو آپ کے ساتھ بانٹا ہے۔ ورنہ حضور اکرمؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں تھا جو آپؐ کے متبعین کے لیے تربیت کا ذریعہ نہ ہو۔۔ اگر جذبات کے خیال کی بات ہو تو آپؐ سے بڑھ کر بیویوں کے لئے کوئی ہمدرد نہیں، انصاف کی بات ہو تو آپؐ انصاف کے سنگھاسن پہ شہنشاہ کی طرح براجمان نظر آتے ہیں۔۔ آپؐ اپنی ازواج کی تعلیم اور تربیت کے لئے ہر لمحہ کوشاں رہتے، ان سے محبت کرتے اور عزت نفس کا خیال رکھتے، یہ خوبی جس معاشرہ اور گھر میں پیدا ہو جائیگی وہ معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائیگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پہ عمل کرتے ہوئے اتباع رسولؐ کا صحیح حق ادا کرسکیں آمین ثم آمین...

❁❁❁

امریکا میں 14 بیٹوں کے بعد بیٹی کی پیدائش پر والدین خوشی سے نہال

برطانوی اخبار دی گارجیئن کے مطابق امریکی ریاست مِشی گن میں 14 بیٹوں کی وجہ سے شہرت رکھنے والے جوڑے جے شوانڈٹ اور ان کی بیوی کیٹیری شوانڈٹ کے یہاں بیٹی کا جنم ہوا ہے۔ دونوں کی شادی 30 سال قبل ہوئی تھی اور وہ ایک بیٹی کے خواہش مند تھے۔ نومولود بیٹی کے والد 45 سالہ جے شوانڈٹ نے مرسی اسپتال میں میڈیا سے گفتگو میں کہا کہ 30 سال کے طویل انتظار کے بعد ہماری خواہش پوری ہوئی ہے جس پر میں اور میری بیوی بہت خوش ہیں۔ بچی کی ماں کیٹیری شوانڈٹ کا کہنا تھا کہ یہ سال کئی وجوہات سے یادگار رہا لیکن میگی جین ایک ایسا تحفہ ہے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بچی کی آمد پر اس کے 14 بھائی بھی پر جوش ہیں۔ نومولود کے سب سے بڑے 28 سالہ بھائی نے بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میرے والدین مایوس ہو گئے تھے اور انہوں نے سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ کبھی ان کے یہاں بیٹی بھی پیدا ہو گی۔ ماں نے پہلی بار بچوں کے گلابی کپڑے خریدے تو وہ کافی خوش تھیں۔ قانون کی ڈگری رکھنے والے جے شوانڈٹ اور سوشل ورک میں ماسٹر کی ڈگری کی حامل کیٹیری شوانڈٹ ایک دوسرے سے اسکول میں ملے تھے اور کالج جانے سے پہلے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے تعلیم مکمل کرنے کے دوران ان کے تین بیٹے ہو چکے تھے۔

❁❁❁

عسراً یسریٰ

تحریر قدسیہ عالم (فرانس)

ہاجرہ نے آرام کرسی پر بیٹھ کر سکون سے ٹیک لگالی۔ اس کی فراخ پیشانی پر پڑی سلوٹیں بتا رہی تھیں کہ عمر سوچ و بچار میں گزری ہے۔ صبیح چہرے پر عزم وہمت کی ایک داستان رقم تھی۔ اور منزل پالینے کا سکون آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔
آرامدہ کمرے میں اس کے سامنے بڑے سے دریچے کے پردے سمٹے ہوئے تھے دور پہاڑ نظر آرہے تھے۔ برف پگھلنے کے بعد روئیدگی نمودار ہو رہی تھی۔ سرد موسم اپنی شدتیں سمیٹ کر رخصت ہو رہا تھا سردی تھی پر یقین تھا کہ بہار اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ بس آیا ہی چاہتی ہے

ابھی ابھی وہ باورچی خانہ وغیرہ کے انتظامات دیکھ کر آئی تھیں۔ بڑی بہو شام کی دعوت کے انتظامات میں مصروف تھی۔ آج کے دن کا انتظار اس نے برسوں کیا تھا۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے دور پہاڑوں پر نظر جمائے وہ بھی کہیں دور بہت دور نکل گئی۔

اسکی شادی جب رشید سے ہوئی تو وہ سولہ برس کی تھی۔ بتیس کی ہوئی تو پانچ بچوں کی ماں بننے کے ساتھ وہ رشید کی بیوہ بھی بن گئی تھی۔ رشید معمولی بیماری کا شکار ہو کر ان کو روتا بلکتا چھوڑ گیا۔ اس کے سوئم کی شام تھی۔۔ بارش برس رہی تھی۔ آتشدان میں گیلی لکڑیاں اور ہاجرہ کے سینے میں دکھی دل سلگ رہا تھا۔ کمرہ ہاجرہ کے میکے اور سسرال والوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہاجرہ اپنی خالی ہتھیلیوں پر نظریں جمائے گم سم بیٹھی ہوئی تھی۔۔

مختلف تجاویز زیر بحث لائی جا رہی تھیں... اس کی شادی ہو جانی چاہیئے۔ نہیں پانچ بچوں کا ساتھ ہے کون ہمت کرے گا۔ بچوں کا سکول بدلوا دو اور پاس کے سرکاری سکول میں داخل کروا دو (بچے انگلش میڈیم میں پڑھ رہے تھے)۔۔ دو بچے میں رکھ لیتا ہوں دو پھوپھو کے ساتھ چلے جائیں اور یہ چھوٹا ماں کے ساتھ رہے... نہیں بھائی صاحب اولاد کے بٹوارے کی ضرورت نہیں ہاجرہ اور بچوں کو ہم ساتھ لے جائیں گے۔ ہاجرہ کے بھائی اور جیٹھ میں بحث سی ہو رہی تھی۔

ہاجرہ ایک لفظ نہ بولی خالی نظروں سے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو اپنے آنسوؤں سے بھگوتی چلی گئی۔ اگلی صبح ناشتے کے فوراً بعد ہی پھر یہی بحث مباحثہ شروع ہو گیا۔

ہاجرہ جواب دو؟ ہاجرہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا اپنا دوپٹہ سر پر درست کیا آنسوؤں کے پھندے کو حلق سے اتار کر پرعزم آواز میں جیٹھ کو جواب دیا۔ بھائی صاحب نہ میں میکے واپس جاؤں گی نہ بچے بانٹوں گی میں خود اپنے بچے پال لوں گی۔۔ کیسے خود پال لوگی؟ پانچ بچے ہیں۔ سر سے سائبان اٹھ گیا ہے۔۔ اب بیوگی کی نازک دیواروں کے سائے میں بنا چھت کے کیسے جیو گی؟؟؟

میں کرلوں گی سب کچھ، ہاجرہ نے قطعیت کے ساتھ کہا۔

اور کچھ نہیں تو کم از کم بڑے والا باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتا تھا اسے کالج داخل نہ کرواؤ کہو دکان سنبھال لے۔

بڑے جیٹھ نے پھر کچھ آسرا لینا چاہا...

بھائی صاحب میں ایک بچے کے مستقبل کی قربانی دے کر چار بچے نہیں پالوں گی۔۔ میرے لیئے سب بچے برابر ہیں۔ میرے سب بچے پڑھیں گے۔ بس آپ ان پر نظر رکھیئے گا تا کہ انہیں احساس رہے کہ ہمارا کوئی بڑا ہے۔ اسطرح جیٹھ کو ناراض کیئے بغیر ہاجرہ نے معاملہ حل کر لیا۔

پھر اس نے دکان اور گھر کا نچلا پورشن کرائے پر دیدیا۔ بڑے دونوں نے کالج میں داخلے کے ساتھ پارٹ ٹائم چھوٹے موٹے کام ڈھونڈھ لئے چھوٹے تینوں ابھی سکول جاتے تھے۔ جیسے تیسے وقت گزارنا شروع کر دیا۔

ہاجرہ نے رشید کے فوت ہونے پر جمع ہونے والے مہمانوں کے جانے کے بعد بچوں کو اکٹھا کیا تھا اور کہا تھا بچو تمہارا ننھیال اور ددھیال دونوں امیر کبیر اور حیثیت والے ہیں۔۔ تم ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے قابل تبھی ہو گے جب تعلیم حاصل کرو گے اور کچھ بن کر دکھاؤ گے۔۔ میری بیوگی کی نازک دیوار میری ہمت اور تم پانچوں کی محنت سے ایک دن مضبوط فصیل بن جائے گی اور اس کے سائے میں ہم سر اٹھا کر جینے کے قابل ہوں گے۔

اس دن کے بعد ہاجرہ کو کبھی کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ وہ اپنے گہنے فروخت کر کر کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتی رہی۔ وقت گزرتا رہا اور ہاجرہ کے بچے اپنی کامیابیاں ہاجرہ کے نام کرتے گئے۔

آج ہاجرہ کا سب سے چھوٹا بیٹا بھی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پہلی نوکری حاصل کر کے گھر آرہا تھا۔

ہاجرہ کا چہرہ شکر اور مسرت کے ملے جلے جذبات سے چمک رہا تھا۔ آتشدان میں لال سرخ کوئلے دہک رہے تھے۔ اب کہیں کچھ بھی سلگ نہیں رہا تھا نہ آتشدان میں گیلی لکڑیاں اور نہ ہاجرہ کا دل۔

❁❁❁

رزق حلال

تحریر فائزہ حبیب کراچی پاکستان

مسلمان ہونے کے ناطے ہماری تاحد کوشش ہوتی ہے کہ ہمارے گھروں میں رزق حلال ہی داخل ہو اور اس امر کو ممکن بنانے کے لئے مرد حضرات دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ کبھی سخت گرمی میں اپنی کھال جلاتے ہیں تو کبھی سخت سردی میں خون جماتے ہیں۔ کبھی آگ کے سامنے لوہا پگھلاتے ہیں تو کبھی کھیتوں کے اندر فصل اگاتے ہیں غرض رزق حلال کمانے کے لئے ہر روز سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ رب باری تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

پھر نیک اولاد کا حصول ہے۔ گھر میں خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی آمد کا موجب ہے۔ اس کے علاوہ رزق حلال کے معاشرے پر جو مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اس کی فہرست خاصی طویل ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اتنی مشقت کے باوجود ہمارے ہسپتال مریضوں سے لبالب کیوں بھرے ہیں۔ کیا اسکی واحد وجہ ناقص غذا ہے تو بابرکت رزق کے شر سے خدا خود محفوظ رکھتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے نبیوں پر زہر بھی اثر نہیں کرتا۔ تو کیا یہ غذا زہر سے زیادہ خطرناک ہے ؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک دن روزہ رکھیں اور جب تک میں اجازت نہ دوں اس وقت تک کوئی روزہ افطار نہ کرے۔ لوگوں نے روزہ رکھا۔ جب شام ہوئی تو ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کی: میں سارے دن روزے سے رہا ہوں، آپ مجھے افطار کی اجازت دیں، آپ نے اس کو افطار کی اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر ایک شخص حاضر ہو۔ اور اس نے عرض کیا آپ کے گھر کی دو کنیزیں صبح سے روزے سے ہیں، آپ انہیں بھی افطار کی اجازت دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے اعراض کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کا روزہ نہیں ہے، ان لوگوں کا روزہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتے رہے ہوں، جاؤ انہیں جا کر کہو اگر وہ روزہ دار ہیں تو قے کریں، انہوں نے قے کی تو ہر ایک سے جما ہوا خون نکلا۔ اس شخص نے جا کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ مر جاتیں اور وہ جما ہوا خون ان میں باقی رہ جاتا تو دونوں کو دوزخ کی آگ کھاتی۔

(طیالسی، المسند، 1 : 282، رقم: 2107)

اسلام نے ایک انسان کا گوشت دوسرے انسان پر حرام قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو ہم نجانے کتنا حرام گوشت ایک دن میں اپنے پیٹوں میں بھرتے ہیں۔ اور صرف خواتین ہی نہیں مرد بھی اس گناہ سے دور نہیں ہیں۔ معاشرتی بے چینی کی ایک بڑی وجہ یہ غیبت جیسی پلید بیماری بھی ہے۔

اگر ایک مرد اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر رزق حلال صرف اسی لئے کماتا ہے کہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے پیٹوں میں شد حلال رزق ڈالے اور دوران گفتگو ہر جملہ غیبت سے لبریز ہو تو اپنی چمڑی سورج کی آگ میں جلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت مولانا نور الدینؓ نے ایک آیت کی تفسیر میں یوں فرمایا:

”غرض خوب یاد رکھو سوء ظن سے تجسس اور تجسس سے غیبت کی عادت شروع ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص روزے بھی رکھتا ہے اور غیبت بھی کرتا ہے تجسس اور نکتہ چینیوں میں مشغول رہتا ہے تو وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ اب جو غیبت کرتا ہے وہ روزے کیا رکھتا ہے وہ تو گوشت کے کباب کھاتا ہے اور کباب بھی اپنے مردہ بھائی کے گوشت کے۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ غیبت کرنے والا حقیقت میں ہی ایسا بد آدمی ہے جو اپنے مردہ بھائی کے کباب کھاتا ہے۔ مگر یہ کباب ہر ایک آدمی نہیں کھا سکتا۔ ایک صوفی نے کشف میں دیکھا کہ ایک شخص نے کسی کی غیبت کی ہے۔ تب اس کو قے کرائی گئی تو اس کے اندر سے بوٹیاں نکلیں جن میں سے بدبُو آتی تھی۔ یاد رکھو یہ کہانیاں نہیں یہ واقعات ہیں۔ جو لوگ بد ظنیاں کرتے ہیں جب تک اپنی نسبت بد ظنیاں نہیں سن لیتے نہیں مرتے! اس لئے میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اور درد دل سے کہتا ہوں کہ غیبتوں کو چھوڑ دوں“۔

(حقائق الفرقان جلد نمبر 4 صفحہ 6،7)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وہ لوگ جو عیب لگاتے ہیں رغبت کرنے والوں پر مومنوں میں سے صدقات میں اور جو نہیں پاتے سوائے اپنی محنت کے۔ تو وہ (منافق) ٹھٹھا کرتے ہیں ان سے۔ ٹھٹھا کا بدلہ لے گا اللہ ان سے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (توبہ آیت 79)

ایک اور جگہ فرمایا:

ہلاکت ہو ہر غیبت کرنے والے سخت عیب جُو کے لئے۔ (سورۃ الھمزہ آیت 1)

اگر ہر گھر کے افراد خانہ صرف اپنے گھرانے کی اصلاح کر لیں تو لازمی شد رزق حلال نسلوں میں منتقل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو گھر کا نگران اور عورت کو اپنے شوہر کے بچوں اور مال و اسباب کا نگران ٹھرایا ہے۔

لہٰذا لازم ہے کہ اپنے گھروں کو اس موذی مرض سے پاک رکھیں۔ تا آنے والی نسلیں روحانی اور جسمانی بیماریوں سے پاک ہوں۔ ❁❁❁

ایک نصیحت فرقانِ حمید سے

فرقانِ حمید کی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت الحاج مولوی نور الدینؓ فرماتے ہیں۔اَوَلَمَّا اَصَابَتْکُمْ مُصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَیْھَا قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (آل عمران: 166)

ترجمہ:بہت سے لوگ ہیں کہ انہیں دنیا کے کاموں میں بہت تکلیف پہنچتی رہتی ہے مگر اس کام کو چھوڑ نہیں دیتے۔لیکن اگر دین میں کچھ تکلیف پہنچے تو بہت جلد بے دلی ظاہر کرتے ہیں۔مَیں ایک بزرگ سے پڑھتا تھا جو ہمیشہ سے سفر میں رہتے۔جب وہ کہیں جاتے مجھے بھی ساتھ جانا پڑتا۔ایک دفعہ کسی شخص کی بھینس چور لے گئے۔چوروں کا پتہ مل گیا۔ہمارے استاد کو سفارش کے لئے وہ لوگ جن کا نقصان ہوا تھا لے گئے۔وہاں جاکر انہوں نے بہت کچھ کہا مگر چور یہی کہتے۔بدلے کی دینی ہے اصل نہیں دیتے۔اور وہ گاؤں ایسا تھا کہ اس میں سب مال چوری ہی کا تھا۔ہمارے دوست ایک اور طالب علم تھے جو اولاد میں سلطان باہو رحمۃ اللہ کے تھے انہوں نے کہا ہم خود کچھ انتظام کرتے ہیں یہ لوگ مولویوں کی بات نہیں مانتے تم میرے ساتھ چلو وہاں جاکر تم نے کہنا ہے۔آج میں کہوں گا نہیں کل۔چنانچہ ہم گئے اور ایسا ہی کہا۔ایک نوجوان نے حیرت سے کہا کہ کیا بات ہے۔میرے دوست نے کہا یہ قریشی ہیں اور چلے ہیں تمہارے گھر آذان دینے۔اس نے کہا خدا کے لئے ذرا ٹھہر جاؤ اور دوڑتا ہو گھر گیا کہ غضب ہو گیا ستم ہو گیا۔چنانچہ وہ لوگ ہمارے استاد کے پاس گئے اور کہا کہ ہم بھینسیں لا دیتے ہیں خدا کے لئے ہمارے گھر آذان نہ کہنا۔آخر انہوں نے راز بتایا کہ ان لوگوں کا خیال ہے قریشیوں نے مسجد میں آذان دی تو وہ ایسی ویران ہوئی کہ یہ اس میں کوئی بھینس باندھی جاسکتی ہے نہ گائے۔پس یہ آذان دے کر ہمارے گھر کو بھی مسجد یعنی ویران بنادیں گے۔پس وہ ڈر کے بھینس لے آئے۔

میں نے دیکھا ہے کہ پیر خود بھی لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔کسی پر ناراض ہوں اور اتفاق سے کوئی حادثہ پیش آجائے تو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں مگر انبیاء ایسے نہیں ہوتے وہ توحید کا جوش رکھتے ہیں اس لئے ہر نیک بات اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بتاتے ہیں وہ دکھ اپنی شامت اعمال نتیجہ ہے۔

یہ قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ کی تفسیر ہے۔اس میں بتایا ہے کہ مصیبت تمہاری نافرانی کا نتیجہ ہے۔جب اللہ تعالیٰ کی شریعت کی خلاف ورزی کی جاتی ہے تو سزا ملتی ہے۔قرآن پہلے سیّد و قریش کے گھر سے نکلا(گو اب اس نکلنے کے یہ معنی ہیں کہ نکل ہی گیا) اور پھر یہی لوگ اب قرآن سے جاہل ہوتے جاتے ہیں حالانکہ ان کی بڑائی کی وجہ ہی یہی تھی کہ وہ قرآن شریف جانتے تھے۔لوگوں نے قرآن شریف سے دین ودنیا کے فائدے اُٹھائے ہیں مگر پھر تو نیّتوں میں فتور آ گیا۔ایک محلّہ میں بہت سے حافظ رہتے تھے۔والد صاحب نے کہا کہ جانتے ہو کہ یہ کیوں اتنے حافظ ہیں۔میں نے کہا فرمائیے۔کہا یہ لوگ کابل کی طرف تجارت کرتے ہیں اور وہاں حفاظِ قرآن کے لئے محصولِ تجارت معاف ہے۔پس یہ حافظ بن جاتے ہیں۔ایک اور حافظ قرآن شریف یاد کر رہے تھے۔میں نے پوچھا آپ قرآن کیوں یاد کرتے ہیں کہا کہ قرآن شریف یاد کرکے کلکتہ جاؤں تو دوسو روپیہ لاؤں سندھ جاؤں تو ایک سو روپیہ۔

یہ تو پڑھنے والوں کا حال ہے اور جن کو پڑھنا چاہئے اور نہیں پڑھتے ان کو حال سنو کہ ایک بڑے آدمی سے میں نے کہا۔آپ پڑھتے کیوں نہیں۔تو وہ بڑے جوش میں آکر کہنے لگا۔کیوں ہم کوئی بندر ہیں؟ سیکھتے تو بندر ہیں شیر نہیں سیکھتے۔میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی ایک مثال پیش کروں۔باز تو سیکھتے ہیں مگر کوّے نہیں سیکھتے۔یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ایسا فرقہ بھی ہے جو اپنے نیک اور بد کام خدا سے منسوب کرتا ہے۔تقدیر کے مسئلے کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔

میری والدہ اعوان قوم میں سے تھی۔بڑی فہمیدہ عورت تھی۔وہ ہمیشہ ایک مثال دیا کرتی تھی جو آگ کھاتا ہے انگارے ہگے گا یعنی جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔وَالْقَدْرِ خَیْرِہ وَشَرِّہ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی کے معنی بتایا کرتیں کہ ہر نیک و بد عالم کا اندازہ خدا کی طرف سے ہو چکا ہے۔جیسا کریں ویسا نتیجہ پائیں۔قَدَّرَہٗ تَقْدِیْراً(الفرقان: 3)

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ نمبر 539 تا541)

❁❁❁

آج پھر دل میں بسایا ہے خزاں کا موسم
(ڈاکٹر لبنیٰ عکس)

آج پھر دل میں بسایا ہے خزاں کا موسم
میرے اس شہر بھی آیا ہے خزاں کا موسم
میرے چہرے پہ جو زردی سی نظر آتی ہے
ایسا لگتا ہے کہ چھایا ہے خزاں کا موسم
بڑی بے چین سی لگتی تھیں بہاریں مجھ کو
ان کی خواہش پہ تو آیا ہے خزاں کا موسم
دشت تنہائی میں بس چھپ کے ہی رو لیتی ہوں
میں نے تم سے بھی چھپایا ہے خزاں کا موسم
عکسؔ یادوں کو جلانا چلو آسان ہوا
خشک پتے بھی تو لایا ہے خزاں کا موسم

اسلامی تعلیمات

اندھیری راتوں کے تیر

تحریر صفیہ چیمہ۔ فرینکفرٹ

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے میرے فلسفیو زورِ دعا دیکھو تو

موجودہ دور میں جو بدامنی اور بے چینی ہے ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ ایک ایسی بیماری جو آج تک نہ دیکھی نہ سُنی۔ پوری دنیا جس کی لپیٹ میں ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ کوئی اس کو ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت پھیلائی گئی بیماری کا نام دے رہا ہے تو کوئی اس کو آسمانی آفت سے منسوب کر رہا ہے۔ کسی کے پاس آج تک اس کا کوئی مداوا نہیں۔ پوری طبی دنیا اس کا حل ڈھونڈ رہی ہے لیکن ابھی تک کہیں کامیابی نہیں ہو سکی چند دنوں سے ایک ویکسین کی ایجاد کا شور برپا ہے اور اس کے بارے مختلف آراء منظر عام پر ہیں کہ اس کے منفی نتائج کے ذمہ داری کون اپنے سر لے گا؟۔ پوری دنیا کی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی ہے جس کا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ کب حالات سنبھل پائیں گے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سب پیر فقیر، نجوم بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہر طرف مایوسی اور ناامیدی چھائی ہوئی ہے۔ بوڑھے بچے نوجوان سب ان حالات کا شکار ہیں۔ کہیں کوئی راہ نہیں سوجھ رہی کہ کس طرح بچا جائے۔

اگر ہم غور کریں تو ہمیں احساس ہوگا کہ دراصل موجودہ مادیت پرستی نے انسان کو حد درجہ خود غرض اور ظالم بنا دیا ہے۔ نیک اور خدا رسیدہ انسانوں کے لئے یہ دنیا تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ کہیں قومی برتری کا زعم ہے تو کہیں طاقت کے نشے میں چُور طاقتور، کمزور اور بے بس انسانوں کو تختۂ مشق بنا رہے ہیں۔ کہیں مذہب کی آڑ میں شیطانیت زوروں پر ہے تو کہیں نسل پرستی، کالے گورے کا امتیاز، قومی تفخر، ذات پات کی اونچ نیچ جیسی منحوس روایات نے ایسا جکڑ رکھا ہے کہ انسان اپنے ہی بنائے ہوئے دائروں میں ایسا گھوم کے رہ گیا ہے جن سے راہِ فرار ممکن نہیں اور اگر کہیں ممکن کا امکان موجود بھی ہے تو ایک نفس دوسرے نفس پہ ایسا حاوی ہے کہ اپنی کوئی مجال نہیں کہ خود کے لئے کوئی نجات کا راستہ اختیار کر سکے۔

یہ کرونا بیماری کیسی بیماری آ پڑی ہے جس نے جسم و جان اور روح کی صفائی کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ جو لغویات ایسی جاری و ساری تھیں کہ ان کے بغیر جینے کا لطف نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان کو ملکی سطح پہ پابند کر کے رکھ دیا ہے۔ اشیائے خوردنی کی پاکیزگی کا خیال چھا رہا ہے۔ بے حیائی کی حرکات جو سرِ عام اختیار کرنے میں کوئی حجاب نہ تھا اب ہر کوئی ایک دوسرے سے فاصلے پر اور خوف زدہ ہے۔ سب عیش و عشرت کے اڈّے بند کر دیئے گئے ہیں۔ زمینی آلودگی نے پوری زمین کو اپنے حصار میں جکڑ رکھا ہے موجودہ ٹیکنالوجی نے گھروں میں موجود انسانوں کو آپس میں دور کر دیا تھا ہر کوئی قریب بیٹھے سے بات کرنے کی بجائے دور والے سے رابطہ رکھے ہوئے محوِ گفتگو ہے۔

یہ سب آفات ہمیں اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک سے جوڑنے کے لئے، ایک سبق سکھانے کے لئے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق سے بہت پیار کرنے والا ہے۔ وہ ان کی اصلاح کے لئے ہر زمانے میں اپنے مقرر کردہ مصلح، پیامبر، نبی اور رسول بھیجتا رہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس زمانے میں جہاں ایسی شدید قسم کی بدصورتِ حال پیدا ہو جائے اور خدائی کی منکر دنیا، خدا کے بھیجے ہوئے مذاہب سے روگردانی کرے اور ایسے غفلت کے پردے تان لے کہ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا ہو تو اس پروردگار کی رحمت جوش میں نہ آئے۔

اسی خدا نے اپنے وعدوں کے مطابق اس زمانے کے امام حضرت اقدس علیہ السلام کو اصلاحِ احوال کے لئے اور مخلوق کو اپنے خالق سے ملانے کے لئے مبعوث فرمایا اور وہ تعلیم جو دنیا بھول چکی ہے اس زندہ و کامل مذہب اسلام کو از سرِ نو پھیلانے کے لئے اور نبیء پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت ظاہر کرنے کے لئے بھیجا۔

حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم... امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا... اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد و یگانہ ایک مدّت تک خاموش رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں وہ سنے" {حقیقۃ الوحی۔ صفحہ 257 مطبوعہ 1906ء۔ روحانی خزائن جلد 22 مطبوعہ لندن صفحہ 269}

ایسے میں انسان ہونے کے ناطے انسانیت کی ہمدردی میں ہمیں اپنے خالق و معبود کے حضور ہی گڑگڑانا ہے اور اپنی التجاؤں اور کمزوریوں کو اس کے حضور پیش کرتے ہوئے راہِ نجات و امن طلب کرنی ہے۔ خدا تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامتے ہوئے، اس کے مسیح محمدی کی دعاؤں کا واسطہ دیتے ہوئے کل عالم کے لئے یہی التجا کرنی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے پیارے حبیب کے صدقے جلد ان تکلیف دہ حالات سے نجات عطا فرمائے ہمیں اپنے پیار کے دامن میں سمیٹ لے، اپنی پناہ میں رکھے، ہر شیطانی فعل سے بچائے اس خوبصورت کائنات کا حسن جو اللہ کی مخلوق سے مزیّن ہے اس کو قائم و دائم رکھے۔ بے شمار نعمتیں جو بن مانگے ہمارے ہر

سُو پھیلی ہوئی ہیں ان سے ہمیشہ ہمیں فیض یاب فرمائے۔حضرت مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ جن کے شب و روز اس دنیا کی فلاح و نجات کی فکر میں دعائیں کرتے گذرتے ہیں اور ہمارے آقا ہمیں جس راہ پر قائم و دائم دیکھنا چاہتے ہیں ہم ان راہوں پر قدم ماریں،ان کے فرمودہ احکام وہدایات پر عمل پیرا ہوں،سمعنا و اطعنا کی پیروی کرتے ہوئے اطاعت امام اپنا فرض جانیں۔خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہوئے

”اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی“

مگر ہم فضائے بدر پیدا کرنے والے تو ہوں،اندھیری راتوں میں اٹھ کر دعاؤں کی شمع جلانے والے تو ہوں۔خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی بے قرار دلوں سے نکلی ہوئی دعاؤں اور التجاؤں کو ضرور سنتا اور قبول کرتا ہے وہ ضرور اس دنیا کو اس ناگہانی آفت سے بچائے گا اور امن وسکون عطا فرمائے گا۔

اس ضمن میں ایک اقتباس بعنوان ”اندھیری راتوں کے تیر“ پیش ہے۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں ” دعا ایک ایسی طاقتور چیز ہے کہ دنیا کی اور کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور بھی بڑی بڑی طاقتیں ہیں مثلاً پانی کی طاقت، بجلی وغیرہ کی طاقت ہے۔مگر دعا کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ایک بزرگ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ جس جگہ رہتے تھے ان کے پڑوس میں ایک بڑا امیر آدمی رہتا تھا جو ہر وقت گانے بجانے میں مشغول رہتا، جس سے انہیں سخت تکلیف ہوتی۔ایک دن وہ اس کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ ”دیکھو بھئی میں تمہارا ہمسایہ ہوں،اس لئے میرا بھی تم پر حق ہے۔اوّل تو اس لغو کام سے تمھیں خود ہی رُک جانا چاہیئے تھا لیکن اگر ایسا نہیں کیا تو اب میری خاطر ہی اسے ترک کردو، کیونکہ مجھے اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔“ وہ چونکہ بڑا رئیس اور صاحبِ رسوخ تھا،اس نے کہا ”تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟ہم کبھی نہیں رکیں گے“۔انہوں نے کہا ” اگر آپ اس طرح نہیں رکیں گے تو ہم بھی مجبور ہیں ہم اور طرح سے روکیں گے“۔اس نے کہا ” کیا تم روکو گے؟ کیا تم میں اتنی طاقت ہے؟میں ابھی سرکاری گارڈ منگواتا ہوں“انہوں نے کہا ”ہم گارڈ کا بھی مقابلہ کریں گے“۔اس نے کہا ” تم ان کا کیا مقابلہ کرسکتے ہو؟“ انہوں نے کہا ” نادان ہمارا مقابلہ توپوں اور بندوقوں سے نہیں ہوگا بلکہ ”سہام اللیل “ سے ہوگا“ لکھا ہے کہ یہ الفاظ انہوں نے کچھ ایسے دردناک لہجہ میں فرمائے کہ اس کی چیخیں نکل گئیں اور بول اٹھا” اس کا مقابلہ نہ میں کرسکتا ہوں نہ میرا بادشاہ کرسکتا ہے۔آئندہ کے لئے میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ کو گانے بجانے کی آواز نہیں سنائی دے گی“۔تو دعا میں وہ طاقت ہے کہ کوئی توپ و تفنگ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔کیوں؟اس لئے کہ یہ تیر زمین سے نہیں بلکہ آسمان سے آتے ہیں۔پھر انسانوں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا انسانوں سے لے کر خود پھینکتا ہے اور خدا کے پھینکے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا۔

(از خطباتِ محمود۔جلد 5 صفحہ 141۔الفضل 4 جولائی 1916)

اس لئے اس آڑے وقت میں محض اور محض اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو آسمان سے ہی اسباب پیدا فرمائے اور اس زمینی آفت سے پورے عالم کو نجات حاصل ہو۔اور ہمارے ”سہام اللیل“ اندھیری راتوں کی دعاؤں کے تیر زمین سے آسمان تک جا پہنچیں اور اس پاک ذات کی رحیمیت جوش میں آئے جو بہت ہی رحیم و رحمان ہے۔

”ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون“ آمین اللھم آمین

❁❁❁

غزل

(امتیاز بٹ ہالینڈ)

اک نظر سے مجھے مدہوش وہ کر جائے گا
جام تو جام ہے پیمانہ بھی بھر جائے گا
کوئی پیغام نہ امید نہ وعدہ کوئی
ایسے عالم میں یہ دیوانہ تو مر جائے گا
غمِ فرقت کا جو اک گھونٹ پیا تھا میں نے
کیا خبر تھی کہ رگِ جاں میں اُتر جائے گا
رُخِ انور سے جو چلمن کو ہٹائے دلبر
نور ہی نور فضاؤں میں بکھر جائے گا
جس کا وعدہ ہے پکارو میں ضرور آؤنگا
اُس کی چوکھٹ پہ جو آئے گا سنور جائے گا

لو کیا تم کو خبردار ہے پھر مت کہنا

(شوکت سلطانہ احمد)

لو کیا تم کو خبردار ہے پھر مت کہنا
چھپ کے پیچھے سے کیا وار ہے پھر مت کہنا
مصلحت کی کوئی شبنم ہے اگر برساؤ!!
میرا ہرلفظ ہی انگار ہے پھر مت کہنا
اس ہجومِ نافہم سے میں کروں کیا گفتار
کوئی لاؤ جو سمجھدار ہے پھرمت کہنا
کام جتنے ہیں میاں پہلے ہی اس سے کرلو
عشق نے کر دیا بے کار ہے پھرمت کہنا
زندگی سے نہ رکھو اتنی امیدیں شوکت
پھول بنتا نہیں ہر خار ہے پھرمت کہنا

اسلامی تعلیمات

آنحضور ﷺ کے طبقہ ء نسواں پر احسانات

تحریر حمیرا ناصر

جب دنیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ چاروں طرف شرک کا جال بچھا ہوا تھا۔ دنیا اپنے خالق کو بھولی ہوئی ہی نہیں بلکہ اس کے نام تک سے واقف نہیں تھی خصوصاً عرب کا خطہ تو بالکل خدا کی طرف سے غافل تھا، توحید قریباً مفقود ہی تھی۔ اس وقت خدا کا ایک بندہ اپنے پیارے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے اور صرف خدا ہی کی تعلیم سے فیضیاب ہوکر دنیا میں توحید کو پھیلانا شروع کرتا ہے۔ اس وقت جبکہ عورتوں کی حالت عملاً جانوروں سے بھی بدتر سمجھی جاتی تھی۔ وہ اٹھتا ہے۔ ان کے حقوق ان کو دلواتا ہے، ان کو حیوان سے انسان بناتا ہے۔ ہاں اس وقت جب اس غریب ہستی پر ظلم پر ظلم کئے جارہے تھے۔ اس کے کوئی حقوق تسلیم نہیں کئے جاتے تھے۔ بیٹی کی پیدائش پر شرمندگی سے چہرے سیاہ ہوجاتے تھے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ ان حالات کا ذکر اس طرح فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: ”اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ غم سے سیاہ پڑجاتا ہے اور وہ (اسے) ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس (خبر) کی تکلیف کی وجہ سے جس کی بشارت اسے دی گئی۔“ (النحل ۶۰:۵۹)

آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل یہ حال تھا کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تو اس کے گھر والوں کی حالت ناگفتہ بہ ہوجاتی۔ خصوصاً باپ کے لئے تو دنیا اندھیر ہوجاتی، وہ حیران ہوتا کہ کیسے اس ذلت کو برداشت کرے اور اس ہستی کو جس نے اس کے زعم میں دنیا میں آکر اس کی ناک کاٹ ڈالی زندہ رہنے دے یا اسے زندہ ہی زمین میں گاڑدے۔ عورت کے لئے ترکہ سے بھی کوئی حصہ نہ تھا بلکہ خود اس کو ایک ورثہ سمجھتے تھے مگر آنحضور ﷺ نے ان سب ظلموں کو دور کردیا اور ایک غریب ہستی کے لئے رحمت کا فرشتہ بن گئے۔

رحمتِ عالم ﷺ کی بعثت یقینا عورتوں کی حقیقی آزادی، انکے مقام اور انکی استعدادوں کے روحانی، معنوی اور مادی طور پر ظاہر ہونے کا دور ہے۔ آپؐ نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر تخت پر بٹھا دیا، اسے گھر کی نگران اور ملکہ بنادیا۔ آپؐ کالایا ہوا دینِ حق وہ پہلا مذہب ہے کہ جس میں عورت اور مرد کو حقوق کی برابری دی گئی ہے۔ فرماتا ہے کہ: ”جیسے مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے مردوں پر ہیں۔“ (البقرہ ۲۲۹)

گویا دینِ حق نے نسوانی دنیا کی کایا ہی پلٹ دی۔ وہی بیٹی جسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا اسے سکھ کا سانس ہی میسر نہیں آیا بلکہ اس کی پیدائش رحمت کا باعث سمجھی جانے لگی اور اس کی اچھی تربیت جنت کی ضامن ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو دو یا تین بیٹیوں کی اچھی تربیت کرکے ان کے فرائض ادا کردے وہ میرے ساتھ جنت میں ان دو انگلیوں کی مانند ہوگا اور آپؐ نے دو انگلیاں ملا کر دکھائیں۔

(الادب المفرد بحوالہ مقامات النساء فی احادیث سید الانبیاء صفحہ ۴۵، ۴۴)

آپؐ کا عملی نمونہ یہ تھا کہ آپؐ نے خود اپنی بیٹیوں کی اچھی تربیت فرمائی اور ان سے پیار اور محبت کا سلوک روا رکھا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور مجھے یہ بات دکھ دیتی ہے کہ کوئی اسے رنج پہنچائے۔ آپؐ نے عورتوں کے لئے تعلیم اسی طرح ضروری قرار دی جس طرح مردوں کے لئے۔ فرمایا ”علم کا حصول ہر مسلمان مرد وزن پر فرض ہے۔“

عورت کو پاکدامن بننے کی تلقین فرما کر زوجیت جیسے مقدس رشتہ میں باندھ دیا۔ نکاح کے موقع پر اس کے لئے حق مہر مقرر فرما کر اس کی توقیر میں اضافہ فرمایا۔ نیز فرمایا کہ کسی عورت سے شادی چار اغراض کے لئے کی جاتی ہے۔ حسن، مال و دولت، حسب نسب یا نیکی و تقویٰ۔ اور نصیحت فرمائی کہ تم نیکی و تقویٰ کے پہلو کو ترجیح دینا اور پھر خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ فرما کر مرد کی نیکی اور تقویٰ کا معیار اہل و عیال سے حسنِ سلوک پر رکھ دیا اور مرد کو حسنِ سلوک کے لئے پابند فرمادیا کہ ”ان (یعنی اپنی بیویوں) سے حسنِ سلوک سے پیش آو۔“ اپنا عملی نمونہ ایسا پیش فرمایا کہ آپؐ کی ازواج نے آپؐ کی سیرت کی گواہی دی۔ حضرت عائشہؓ کی شہادت گھریلو زندگی کے بارے میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ نرم خُو تھے اور سب سے زیادہ کریم، عام آدمیوں کی طرح بلا تکلف گھر میں رہنے والے۔ آپؐ نے کبھی تیوری نہیں چڑھائی، ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ نیز فرماتی ہیں کہ آپؐ نے کبھی اپنی کسی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا نہ کبھی کسی خادم کو مارا۔

آپؐ نے عورت کو بحیثیت ماں ایسا درجہ عطا فرمایا کہ ہر عورت اپنے عورت ہونے پر فخر کرنے لگی۔ فرمایا ”جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔“ جب سوال کیا گیا کہ حسنِ سلوک کا کون سب سے زیادہ مستحق ہے تو تین دفعہ فرمایا ”تمہاری ماں۔“

طبقہء نسواں کے لئے مجسم رحمت ﷺ نے عورتوں کی عزت و احترام، عفّت و پاکدامنی کے قیام کے لئے بہترین تعلیم عطا فرمائی اور انہیں گندی نظروں اور سوچوں کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے پردے کے احکام بیان فرمائے اور ان کے حسن کے قصے بیان کرنے سے منع فرمایا۔ آپؐ نے ایسے خاوند کو جو اپنی بیوی کے راز لوگوں میں بیان کرے بدترین مقام کا حقدار ٹھہرایا۔ عورت کے لئے خلع کا حق رکھا اور اسے نہ

چاہتے ہوئے غیر مطمئن غلامی کی زندگی سے آزادی پانے کی راہ عنایت فرمائی اور طلاق کی صورت میں اس کے حقوق قائم فرمائے۔ یہاں تک کہ خاوند کو نصیحت فرمائی کہ طلاق سے حتّی الامکان اجتناب کرے اور نباہ کی پوری کوشش کرے اور طلاق کی صورت میں بھی بیوی کو اچھے انداز سے رخصت کرنے کی تلقین فرمائی۔ عورت کی گواہی کو رائج فرمایا۔ قرآنِ مجید پہلی اور واحد کتاب ہے جو عورت کو اس کا حقِ وراثت دیتی ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں: "صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورتوں کی انسانیت کو نمایاں کر کے دکھایا اور رسول کریم ﷺ ہی وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے عورت کے بلحاظ انسانیت برابر کے حقوق قائم کئے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۵۱۲)

عورتوں کے بارے میں مندرجہ بالا تعلیم ایک ابرِ رحمت کی حیثیت رکھتی ہے۔ ظلم تو یہ ہے کہ آج کی ترقی اور جدّت کے نام پر اسلام کی حسین تعلیم کو ٹھکرا کر دنیا عورتوں کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار نظر آتی ہے۔ کہیں ظلم و ستم اور سفاکی کی جاہلانہ رسموں کو زندہ کیا جا رہا ہے تو کہیں آزادیٔ نسواں کے نام پر عورت کو عفت و پاکدامنی کے حسین دائرے سے کوسوں دور کیا جا رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج اس تعلیم کو عام کیا جائے۔

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں: "عورتوں اور بچوں کے ساتھ تعلقات اور معاشرت میں لوگوں نے غلطیاں کھائی ہیں اور جادۂ مستقیم سے بہک گئے ہیں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے اور ان سے نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ مگر اب اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے۔ دو قسم کے لوگ اس کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ تو ایسا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو بالکل خلیع الرسن (آزاد) کر دیا ہے۔ دین کا کوئی اثر ہی ان پر نہیں ہوتا وہ کھلے طور پر اسلام کے خلاف کرتی ہیں اور کوئی ان سے نہیں پوچھتا۔ بعض ایسے ہیں کہ انہوں نے خلیع الرسن تو نہیں کیا مگر اس کے بالمقابل ایسی سختی اور پابندی کی ہے کہ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا اور کنیزوں اور بہائم سے بھی بدتر ان سے سلوک ہوتا ہے۔ مارتے ہیں تو ایسے بے درد ہو کر کہ کچھ پتہ ہی نہیں کہ آگے کوئی جاندار ہستی ہے یا نہیں۔ غرض بہت ہی بری طرح سلوک کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ عورت کو پاؤں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک اتار دی اور دوسری پہن لی۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اسلام کے شعائر کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ ساری باتوں کے کامل نمونہ ہیں۔ آپؐ کی زندگی میں دیکھو کہ آپؐ عورتوں کے ساتھ کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی پاک زندگی کا مطالعہ کرو تمہیں معلوم ہو کہ آپؐ ایسے خلیق تھے۔ باوجودیکہ آپؐ بڑے بارعب تھے لیکن اگر کوئی ضعیفہ عورت بھی آپؐ کو کھڑا کرتی تو آپؐ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ وہ اجازت نہ دے۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۸۷)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس حسین تعلیم کے مغز کو سمجھنے کی توفیق دے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو ہمارے پیارے نبی ﷺ کی محبت سے لبریز کر دے اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بھیج درود اُس محسن پر تُو دن میں سو سو بار
پاک محمدؐ مصطفیٰ نبیوں کا سردار

❀❀❀

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی کچھ تھا ترا خیال بھی

(پروین شاکر)

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی کچھ تھا ترا خیال بھی
دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی

بات وہ آدھی رات کی رات وہ پورے چاند کی
چاند بھی عین چیت کا اس پہ ترا جمال بھی

سب سے نظر بچا کے وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رک گئی گردش ماہ و سال بھی

دل تو چمک سکے گا کیا پھر بھی تراش کے دیکھ لیں
شیشہ گران شہر کے ہاتھ کا یہ کمال بھی

اس کو نہ پا سکے تھے جب دل کا عجیب حال تھا
اب جو پلٹ کے دیکھیے بات تھی کچھ محال بھی

میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا بھول گیا سوال بھی

اس کی سخن طرازیاں میرے لیے بھی ڈھال تھیں
اس کی ہنسی میں چھپ گیا اپنے غموں کا حال بھی

گاہ قریب شاہ رگ گاہ بعید وہم و خواب
اس کی رفاقتوں میں رات ہجر بھی تھا وصال بھی

اس کے ہی بازوؤں میں اور اس کو ہی سوچتے رہے
جسم کی خواہشوں پہ تھے روح کے اور جال بھی

شام کی نا سمجھ ہوا پوچھ رہی ہے اک پتا
موج ہوائے کوئے یار کچھ تو مرا خیال بھی

اسلامی تعلیمات

صبر

تحریر مبشرہ شکور لندن

حضرت الحاج مولوی نور الدینؓ فرماتے ہیں کہ صبر کی مختصر حقیقت یہ ہے کہ انسان ہر ایک نیکی اور نیک بات پر جمارہے ،بدی سے رکارہے گویا صبر تمام نیکیوں کا جامع ہے۔ مشکل کے وقت بدی سے بچنا ہی تو صبر ہے، شہوت میں عفت ،غضب کے وقت حلم، حرص کے مقابل میں قناعت ،وقار ،استقلال ،ہمت ،عزم پر کار فرمار ہنا، شرع و عقل سلیم کی مخالفت نہ کرنا یہ سب صبر ہے۔ ہاجرہ نامی ایک عورت تھی جو میری تحقیق کے مطابق ملک مصر کی ایک شہزادی تھی۔ ابراہیمؑ کی کرامتوں کو دیکھ کر بادشاہ نے اپنی لڑکی ابراہیمؑ کے نکاح میں دے دی۔ نوجوان اور خوبصورت اور باکرہ تھی۔ اسوقت ابراہیمؑ کی عمر ۸۴ سال تھی جبکہ وہ حملہ ہوئی۔ میں بہت ہی مختصر سناتا ہوں کہ پہلی بی بی نے اسے نکلوا دیا اس پر اللہ سے مکالمہ ہوا، کیوں نکلی؟ آپ نے عرض کیا بڑی بی بی رہنے نہیں دیتی۔ خدا نے فرمایا واپس جاؤ اور اس کی فرمانبردار ہو کر رہو۔ اس صبر کے نتیجے میں ہم تمہیں ایک لڑکا دیں گے جس کی اولاد تمام جہان کے لئے موجب ہدایت ہو گی اور آسمان کے تارے اور ریت کے ذرّے گننے آسان ہونگے مگر تیری اولاد کوئی نہ گن سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا پھر جب دوبارہ اس بی بی ہاجرہ کو دکھ دیا تو ابراہیمؑ انہیں مکہ میں چھوڑ آئے۔ ابراہیمؑ سے پوچھا کہ ہمیں کس کے سپرد کرتے ہو؟ آپ نے اس کا جواب نہیں دیا پھر پوچھا کس کے حکم سے یہاں لائے ہو؟ فرمایا خدا کے حکم سے۔ اس پر اس نیک بخت صابرہ بی بی نے کہا تو پھر اب تمھاری ضرورت نہیں۔ اس بی بی کے پاس نہ روپیہ تھا، نہ مل اسباب تھا، نہ مویشی تھے، بچہ بھی چھوٹا تھا، وہاں کوئی غمگسار نہیں تھا۔ درندوں کا بھی ڈر تھا، کوئی آبادی بھی نہ تھی مگر اس صبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج مکہ ایک عظیم الشان شہر آباد ہے جو کروڑہا مخلوق کا ملجا و ماوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے نام کے لئے صبر کر کے اس کے نتائج سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ صفا اور مروہ سے جا کر شعور، یہ معرفت حاصل کریں کیونکہ وہ مقام اللہ کی طرف سے صبر کے نتائج کے شعور کے حصول کا ذریعہ مقرر شدہ ہے۔ جو حج کرنے جائے وہ وہاں ذرا چل کر پھر کر دیکھے کہ ہمارا فضل اس صابرہ پر کیسا ہوا۔ ہم کیسے قدر دان ہیں۔ اِنّ الصَّفا۔۔۔۔ صبر کے نتائج نیک کی مثال ایک بیوی کے صبر سے مکہ مرجع خلائق بن گیا۔ (حوالہ حقائق الفرقان۔ جلد اول صفحہ نمبر 274-275)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عظیم اُسوہ اس صبر کے اظہار میں کیسا تھا؟ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، سوائے اس کے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے کسی کو مارا ہو۔ آپ کو جب کبھی کسی نے تکلیف پہنچائی تو بھی آپؐ نے کبھی اس سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ کے کسی قابلِ احترام مقام کی ہتک اور بے حرمتی کی جاتی تو پھر آپؐ اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیتے تھے۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب مباعدتہ ملا ثام واختیارہ...) پس یہ وہ عظیم اسوہ ہے جو صبر کے مضمون کی حقیقی تصویر پیش کرتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ابو کبشہ انماریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تین باتوں کے متعلق تاکیداً کہتا ہوں اور میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ پس تم اسے خوب یاد رکھو۔ آپؐ نے فرمایا: کسی بندے کا مال صدقے سے کم نہیں ہوتا اور وہ بندہ جس پر کوئی ظلم کیا گیا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اسے عزت میں بڑھاتا ہے۔ اور وہ بندہ جس نے کسی سوال کا دروازہ کھولا تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (سنن الترمذی۔ کتاب الزھد۔ باب ماجاء مثل الدنیا مثل اربعۃ نفر)

ہمیشہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ ظلم پر خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مقبول ہے کہ اس کی عزت اللہ تعالیٰ خود قائم فرما دیتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں روزمرہ معاملات میں اگر لوگ اس اصل کو سمجھ لیں تو ایک پُر امن معاشرہ قائم ہو جائے۔ (خطبہ جمعہ 19/ نومبر 2010ء فرمودہ حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

ہمارا ہر عمل خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا ہو اور ہمیں بھی ہمیشہ صبر اور استقامت دکھانے کی توفیق دیتا چلا جائے آمین۔

❀❀❀

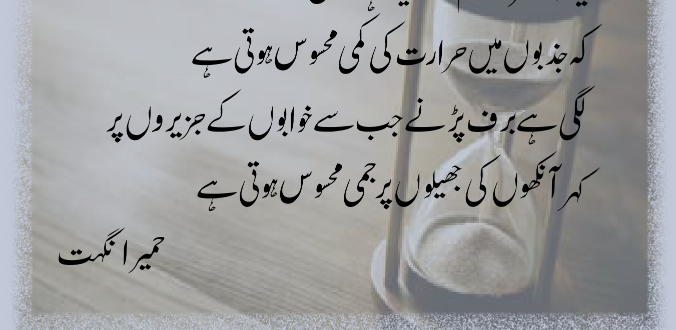

رسولِ پاکؐ کی محبت اور ہم!

تحریر: نزہت جہاں ناز کراچی

آج کل ہم حُبِّ رسول کے حوالے سے گستاخانہ رویّوں کی بابت اکثر و بیشتر بہت کچھ سنتے اور دیکھتے ہیں۔ اس پر یہ سوال ذہنوں میں اٹھتا ہے کہ رسول اللہؐ کی محبت دراصل ہے کیا؟ کیا یہ محض جذباتیت یا منہ زبانی نعروں اور دعووں کا نام ہے؟ یا جوشِ جذبات سے مغلوب ہو کر شدت پسندی کا رویہ اپنا لینے اور قتل و غارت گری کو جہاد جیسے مقدّس فریضے سے منسوب کر دینے کا نام ہے؟

جہاں تک انسان کی ناقص عقل کام کرتی ہے کلامِ الٰہی کا تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ قرآن و سنت کی رو سے اسلام پر عمل پیرا ہونا اور آپؐ کی اطاعت و پیروی یہی دونوں دراصل حُبِّ رسولؐ کے زمرے میں آتے ہیں۔

اگر آج ہم زوال پزیر ہیں تو اپنے ہی اعمال کے سبب پھر چاہے وہ اعمال کسی میر جعفر کے ہوں یا کسی مصلحت کوش منافق کے، کسی عیش پسند انسان کے یا بے حس اور خود غرض آدمی کے، متاثر تو پوری اُمّت ہی ہوتی ہے بالخصوص اس وقت جب کہ ایسے افراد کی بہتات چند ایک سچے اور غیور مسلمانوں پر حاوی ہو۔

اس لیے محض زبانی دعووں، نعروں یا جلوسوں سے بات نہیں بنے گی بلکہ ہمیں سوچنا ہو گا کہ ہم دشمن کا منہ توڑ جواب دینے کے اہل ہیں بھی کہ نہیں؟ کیا اتنے متفرق مسلمان ممالک نے کبھی ایک ہو کر مسلمانوں کو درپیش مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے؟ اسی گستاخانہ رویے کو لے لیں کبھی ان مسلم ممالک نے اکھٹے ہو کر دشمنوں پر دباو ڈالا ہے؟ اگر نہیں تو زبانی جمع خرچ سے کیا ہو گا؛ محض جوشیلے نعرے تو دشمنوں کو اپنے گھٹنوں پر لانے سے رہے!۔ اگر اکا دکا ملک اپنے سفارتی تعلقات ان شریر ممالک سے ختم بھی کرتے ہیں یا معاشرتی بائیکاٹ کرتے ہیں تو ان خود کفیل ترقی یافتہ ممالک کو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اپنی بات یا اپنے بین الاقوامی حقوق منوانے کے لیے مسلمان ممالک میں باہمی اتحاد کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر امت کو زندگی کی جانب اپنا رویہ درست کرنے کی حاجت ہے۔ جس بنیاد پر آپؐ نے امت کو کھڑا کیا تھا وہ اس کے ایک ایک فرد کی انفرادی اصلاح تھی۔ ہم اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں؟ اگر بچپن میں ہماری تربیت میں کوئی کمی کسر رہی بھی ہے تو بالغ ہو جانے کے بعد اپنے خالق کے سامنے جوابدہ ہم خود ہوں گے، صرف اپنی تربیت کو دوش دے کر ہم فارغ نہیں ہو سکتے۔ کیا اور دنیوی معاملات میں ہمارا رویہ یہی رہتا ہے؟ کیا ہم مختلف ذرائع سے اپنی معلومات میں اضافہ نہیں کرتے؟ کیا ہم اپنی کمی کوتاہیوں کو موجودہ طرزِ زندگی کے موافق ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتے؟ کیا خود کو معاشرے کی پسند ناپسند کے مطابق سنوارنے کی سعی نہیں کرتے؟

تو پھر کیا یہ بھی ہمارا فرض نہیں کہ ہم اپنے کردار و اخلاق میں موجود کوتاہیوں پر نظرِ ثانی کریں، اپنے ایمان کی پرورش از سرِ نو کریں، اپنے اعمال کو اپنے نبیؐ کے ان احکامات کے تابع کریں کہ دراصل جن سے وہ انسانیت کی تربیت کے لیے مبعوث کیے گئے تھے اور اس الہامی کلام سے جُڑنے کی کوشش کریں جسے ہم چوم کر طاقوں میں سجانے، قسمیں اٹھانے یا فوت شدہ لوگوں کی بخشش کے علاوہ زیادہ سے زیادہ صرف ناظرہ کی حد تک جانتے ہیں۔ کیا یہ ہمارا فرض نہیں کہ یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہمارے خالق نے آخر ہم سے کہا کیا ہے اور اس پر ہم عمل پیرا کس طرح سے ہو سکتے ہیں؟ جب تک ہم انفرادی طور پر اپنے اعمال درست کرنے کی سعی نہیں کریں گے اپنی آئیندہ نسلوں کی مناسب تربیت بھی نہیں کر پائیں گے اور یوں بحیثیت ایک قوم یا ایک امت کے کمزور ہی رہیں گے۔ دنیا کی چکا چوند سے ہماری آنکھیں چندھیائی رہیں گی تو ہم بروزِ قیامت اپنے رب سے بھی آنکھیں نہیں ملا پائیں گے اور خدا نخواستہ جہنم واصل کر دیے جائیں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنی تصیح و تادیب کے لیے کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھام لیں، اس کے فہم کو اپنے ادراک سے ہم آہنگ کریں اور اسے اپنی اپنی زندگی کا عملی حصہ بنانے کی سعی میں مصروف و مشغول ہو جائیں یقین کریں اس کے لیے ہمیں اپنے روزمرہ معمولات سے بنیادی طور پر نصف گھنٹہ بھی بہت ہے۔ پھر کلامِ الٰہی کا علمی تجسس ہمیں از خود اپنے سحر میں جکڑ لے گا۔

یوں بھی ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہمارے رسول آخر الزماں اور رحمتہ اللعالمین تھے۔ وہ صرف امتِ مسلمہ کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے آئے تھے۔ تو وہ جو آج عرفِ عام میں گستاخِ رسول بنے ہوئے ہیں دراصل ان کی ہدایت کا سامان بھی آپؐ ہی کی تعلیمات میں مضمر ہے اور ان تعلیمات کی ترسیل و تبلیغ بھی ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ آپؐ نے برے سے برے دشمن کے ساتھ بھی رحمت و ملائمت کا رویہ اختیار کیا اور یہی وجہ تھی کہ اسلام اس شان اور کروفر سے پھیلا۔ ہمیں بھی نرمی اور برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بات غیر مسلموں تک پہنچانے کی ضرورت ہے اور اس سے پہلے خود کو ایمان اور علم سے مسلح کرنے کی!۔ تب ہی ہماری بات اوروں پر بھی اثر کرے گی اور ہماری اپنی زندگی بھی سنوارے گی۔ اور تب ہی کہیں جا کر امتِ مسلمہ بھی مسلّمہ طور پر اس قابل ہو سکے گی کہ ان شریر دشمنوں کا قلع قمع کر سکے جو ہر دور میں کہیں نہ کہیں موجود رہے ہیں۔ مگر یہ اس وقت تک ممکن

نہیں جب تک ہم اپنا احتساب نہیں کرتے، اپنی خامیوں کو جہدِ مسلسل سے خوبیوں میں تبدیل نہیں کر لیتے، مخلوق کے آگے دستِ سوال دراز کرنا نہیں چھوڑتے اور اپنے خالق سے خود کو قریب تر کر کے اپنا ایمان تازہ نہیں کرتے!۔

ہماری تمام تر مشکلات کا بس یہی اک حل ہے نہ کہ دشمن کی ایسی شرارتوں اور کارستانیوں پر احتجاج کر کے خود اپنی غیرت کی پامالی اور اپنے نبی کی ناموس کی بے ادبی ان مسائل کا حل، کیونکہ ہمارے رسولِ پاک صلعم جنھیں خالقِ کائنات نے بلند وارفع درجات سے سرفراز کِیا ہو وہ کسی انسان کی کی گئی عزت کے محتاج نہیں!۔

دُعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اس دنیا میں بحیثیت ایک قوم اور ایک امت کے جہدِ مسلسل کی ہمت و توفیق دے کر کامیابی کا اہل بنائے اور جہانِ آخرت میں بھی سرخ روئی عطا فرمائے آمین!۔ اللہ حافظ و ناصر

❋❋❋

اب کے دسمبر!

(نُزہت جہاں ناز، کراچی)

برستی بارشیں باہر، جلے آتش اک اندر بھی
عجب انداز سے لو آگیا اب کے دسمبر بھی
اُداسی رُخ کرے ہر شام، دھیرے سے، پہاڑوں کا
تو شالیں اوڑھ کے ہم بھی گزاریں وقت جاڑوں کا
کہ ستواں ناک پر نزلے کی سرخی چھا رہی ہو جب
جو آتے آتے رُک کر چھینک پھر سے آ رہی ہو تب
تو آتشدان سے نزدیک ہو کر ہاتھ تاپیں ہم
کسی پھر سوچ میں گم آگ میں تھوڑا سا جھانکیں ہم
جو چلغوزے چبائیں چسکیاں کافی کی لے لے کر
تمہارے ہاتھ میں دھیرے سے اپنا ہاتھ یہ دے کر
کہ ہیرا مانگ کا چھلے میں، انگلی کے، جڑا ہوگا
ادھورا سا کوئی ناول کہیں الٹا پڑا ہوگا
پلک کی بدلیاں آنکھوں پہ پھر چھائی ہوئی ہوں گی
شفق کی سُرخیاں چہرے پہ شرمائی ہوئی ہوں گی
تصور ہی سہی لیکن حقیقت بن تو سکتا ہے
خیال و خواب کا منظر محبت بن تو سکتا ہے
کہ پچھلی سردیوں سے آس کوئی تھی نہیں ہم کو
نہ تم موجود تھے تب پیاس کوئی تھی نہیں ہم کو
تری یادوں کی جھیلوں میں نہائے آج بیٹھے ہیں
ترے دیدار کی امید میں سرتاج بیٹھے ہیں
مئی اپریل، اکتوبر، ستمبر کیا، نومبر بھی
کوئی موسم بھی ہو باہر، رہے موسم اک اندر بھی
ہُوا ہے موجزن کیسا یہ، سینے میں، سمندر بھی
ہیں لہریں پیار کی شوریدہ سر، اب کے دسمبر بھی

❋❋❋

غزل

(بشارت سکھی جرمنی)

کتنا دل کش ہے ترے پیار کا اظہار کہ بس
روح تک ہوگئی ہے مری سرشار کہ بس
زیست ہر لمحہ ہوئی جاتی ہے آزار کہ بس
ہو رہے وقت کے ہاتھوں سبھی لاچار کہ بس
تند لہجوں سے سدا گھاو کھرچنے والے
ہم کو تو ایسے ملے ہیں سبھی غم خوار کہ بس
بعد تیرے تو ہنسی روٹھ گئی ہونٹوں سے
ایسا اجڑا ہے مری خوشیوں کا سنسار کہ بس
عرش بھی شرم سے ہو اٹھا تھا پانی پانی
بنت حوا ہے لٹی ایسی سر بازار کہ بس
ماورا لمس کی چاہت سے محبت ہے مری
ہم نے تو رکھا محبت کا یہی معیار کہ بس
جسم خاکی سے کہاں عشق نبھایا جائے
عشق تو کھینچ کے لے جائے سر دار کہ بس
درد وہ دل میں اٹھے ہے کہ نہ پوچھو ہمدم
فرقت غم نے ہمیں ایسا کیا لاچار کہ بس
رنج وغم ہی تو مری زیست کے مخزن ٹھہرے
عمر بھر سینت کے رکھا یہی سنسار کہ بس
ربط کیسا ہے مرا درد کی زنجیروں سے
ہر قدم پر ہے اٹھی درد کی دیوار کہ بس
ایک مسکان کی قیمت یوں چکائی دل نے
چھن گئے ہوش و خرد کر دیا لاچار کہ بس
باندھ رکھا تھا جسے صبر کے دھاگوں سے سکھی
ضبط یوں ٹوٹ کے رویا ہے مرے یار کہ بس

❋❋❋

میڈیکل کی مخلوط تعلیم اور لڑکا اک شرمیلا سا

تحریر ڈاکٹر طاہرہ کاظمی

اقرار کیے بنا چارہ نہیں سو کیے لیتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایک مسئلہ ہے اور ہے بھی گمبھیر !... جب بھی ہم کچھ ایسا سنیں جس کا نہ سر ہو نہ پیر، کہنے والا نہ زمینی حقائق کو مدنظر رکھے نہ اخلاقی قدروں کے تانے بانے کو سمجھے، تو جی چاہتا ہے کہ کہنے والے کا سر کھول دیا جائے۔ ارے نہیں، نہیں، وہ نہیں، جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ ہمارا مقصد تو محض تجسس کی خاطر سر کے اندر تاک جھانک کر کے بات سمجھنے کی کوشش کرنا ہے جیسے لفظوں سے تصویریں بنانے والے گلزار کہتے ہیں،

اگر ایسا بھی ہو سکتا تمہاری نیند میں سب خواب اپنے منتقل کر کے تمہیں وہ سب دکھا سکتا جو میں خوابوں میں اکثر دیکھا کرتا ہوں۔

تو جی یہ چاہتا ہے کہ ماضی کا پہیہ گھما کے ذرا اس دور میں چلا جائے جب آج کے مولانا طارق جمیل، میڈیکل کالج کی راہداریوں میں ٹہلتے ہوئے طارق جمیل ہوا کرتے تھے۔

ہمیں کھد بد لگی ہے کہ میڈیکل کالج کے دنوں میں غور و فکر کر کے انہوں نے کیسے وہ دانش پائی جس کا اظہار اب وہ منبر پہ بیٹھ کے کیا کرتے ہیں۔ اور سامنے لاکھوں کا مجمع ان کے اقوال پہ نہ صرف سر دھنتا ہے بلکہ شکر کا سجدہ بجا لاتا ہے کہ وہ آگ اور پٹرول کے ملاپ والے مقامات سے گزرنے کی آزمائش سے محفوظ رہا۔

آگ اور پٹرول کی جو آزمائش میڈیکل کالج میں مولانا طارق جمیل کو جھیلنا پڑی، ان دنوں کی بابت ہی تو انہوں نے فرمایا ہے کہ شکر کا مقام یہ رہا کہ انہوں نے جلد بھانپ لیا کہ وہاں گزارے ہوئے دنوں کا حاصل اعلیٰ تعلیم اور مسیحائی کی بجائے بے راہ روی اور ریپ ہے تو وہ چپکے سے وہاں سے نکل لئے۔

یقین جانیے جب سے یہ بیان سنا ہے ہمارا دل تو پارے کی طرح لرز رہا ہے کہ نہ جانے کون سا منہ لے کے روز حشر کو جائیں گے۔ ہم تو بڑی پامردگی سے انہی راہوں کے نہ صرف راہی رہے بلکہ بے شمار کو ہلا شیری دے کر اس رستے کی دعوت بھی دی۔

ویسے آپس کی بات ہے اگر طارق جمیل ان دنوں میں ہمارے شناسا ٹھہرتے تو شاید ہماری زندگی میڈیکل کالج سے فرار ہو کے تو سنورتی ہی، ہماری آخرت کو بھی آج لالے نہ پڑے ہوتے!

تو چلیے دیکھتے ہیں ماضی کا ایک دن میڈیکل کالج میں طارق جمیل کے ہمراہ!

کلاس شروع ہو چکی ہے۔ ڈیڑھ دو سو طلبا و طالبات لیکچر سننے میں مشغول ہیں۔ پروفیسر صاحب انسانی جسم کی پرتوں پہ روشنی ڈال رہے ہیں۔ بیچ بیچ میں کوئی شرارتی طالب علم کوئی چٹکلا چھوڑ دیتا ہے اور فضا میں مردانہ قہقہوں کے ساتھ مترنم ہنسی بھی شامل ہوتی ہے۔ ایک بینچ کے کونے پہ ایک سمٹا سمٹایا دیہاتی لڑکا بیٹھا ہے لیکچر سننے کی بجائے دماغ میں ایک ہی خیال چل رہا ہے، ہمارے گاؤں میں تو لڑکیاں اس طرح نہیں ہنستیں، نہ ہی اس طرح کے کپڑے پہنتی ہیں۔ معلوم نہیں ان کے ماں باپ نے انہیں لڑکوں کے ساتھ پڑھنے کی اجازت کیسے دے دی؟ یہ تو نرا عذاب ہے میرے لئے۔ ان کی ہنسی ایک جبر مسلسل ہے، ان کی آواز ایک صبر و برداشت کا امتحان ہے، کیا کروں؟ یک لخت پروفیسر صاحب کی نظر اس لڑکے پر پڑتی ہے جس کی آنکھ پروجیکٹر پر لگی سلائیڈز کی بجائے کہیں اور اٹکی ہوئی ہے۔ وہ مخاطب ہو کے سوال پوچھتے ہیں،

" تم بتاؤ، معدے میں خوراک پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کون سا تیزابی ہارمون خارج ہوتا ہے؟"

" جی، پٹرول۔"

" کیا کہا۔ برخوردار میں انسانی معدے کی بات کر رہا ہوں، موٹر سائیکل کی ٹنکی کی نہیں"

ساری کلاس ہنس پڑتی ہے!

" جی میرا مطلب تھا، آگ اور پٹرول اکٹھے یوں یعنی خطرناک۔ میرا مطلب ہے۔ غلط نتیجہ یعنی کہ خلاف شرع۔"

کلاس میں بلند آہنگ قہقہوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب ناک کی پھننگ پہ رکھی عینک کے پیچھے سے گھورتے ہیں،

" اجی مولوی صاحب، ہم انسانی معدے میں خوراک کے ہضم ہونے کے بارے میں پڑھ رہے ہیں، یہ شرع کہاں سے آ گئی؟"

لیکچر ختم ہو جاتا ہے۔ سب لڑکے اور لڑکیاں لیکچر تھیٹر سے باہر آ کر خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ لڑکے کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ سب اس قدر نارمل طریقے سے بات کیسے کر رہے ہیں؟ لڑکی اور لڑکے کے درمیان تو اور کچھ بھی نہیں ہوتا سوائے اسی ایک بات کے۔" اوہ اچھا، اصل میں تو سب کچھ تنہائی میں ہوتا ہو گا نا جیسے ہمارے گاؤں میں کنویں کے پیچھے یا کھیتوں میں بھری فصلوں کی آڑ میں۔ لیکن یہاں تنہائی کہاں۔ شاید اس ہال کے پیچھے یا پھر ٹوائلٹ کی طرف۔" وہ زیر لب بڑبڑاتا ہے۔

اب سب لوگ ڈائسیکشن ہال کی طرف جا رہے ہیں۔ ہر میز پہ ایک مردہ ہے اور اس کے گرد چھ لوگوں کی ٹولی ہے۔ اس لڑکے کے گروپ میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔" یہ کیسے ممکن ہے یہ لڑکیاں اس مردہ شخص کو کیونکر ہاتھ لگائیں گی؟ اف خدایا، اعضائے مخصوصہ ہی ڈھک دیتے۔ بھلا مردہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ رہیں گے تو اعضائے مخصوصہ، نظر پڑے تو خیال تو وہی آئے گا نا۔ حد ہو گئی بے شرمی کی، آگ

لگے ایسی انگریزی تعلیم کو، جہاں لڑکیوں کے سامنے سب کچھ دیکھنا پڑے۔ اب کوئی کہاں تک ضبط کرے" لڑکا اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے۔

اب سب ساتھی کینٹین کی طرف جارہے ہیں، پیٹ پوجا کا وقت ہے۔

کینٹین میں ہر طرف رنگوں کی بہار ہے اور ہنسی مذاق کے ساتھ بلاتھکان قصے کہانیاں چل رہے ہیں۔ لڑکے کی سمجھ سے باہر ہے کہ لڑکیاں اور لڑکے آپس میں روزمرہ کی باتیں کیسے کر سکتے ہیں؟ ان کی آنکھوں میں وہ خاص قسم کی چمک کیوں نہیں اترتی جو ایک خاص وقت میں مرد و عورت کو بے حال کرتی ہے۔

" توبہ، توبہ، یہ نیلے دوپٹے والی کس قدر زور سے ہنستی ہے اور وہ ہری قمیض والی کا لباس کیسا عجیب اور دعوت نظارہ دینے والا ہے، پورا جسم جھلک رہا ہے۔ وہ کونے میں بیٹھی کس قدر تنگ جینز پہنے بیٹھی ہے۔ یا اللہ کس طرح اپنا ایمان بچاؤں؟ یہ سب تو گھر سے نکلی ہی اس لئے ہیں کہ کوئی بھی ہاتھ لگا لے، بلکہ جو مرضی کرلے"

لڑکا سوچ کے سمندر میں ڈوبا ہے

" ویسے فائدہ تو ہے اس انگریزی پڑھائی کا، شام کا وقت سیٹ کرنے میں آسانی رہتی ہوگی۔ دوسرے ماں باپ کی نگرانی کا جھنجھٹ بھی نہیں۔ اب ہمارے گاؤں میں تو ہر کونے کھدرے سے کوئی چاچا یا ماما نکل آتا ہے۔ کتنی دقت پیش آتی ہے وہاں کسی لڑکی سے ملنے میں۔

بے حیائی دیکھو، بالکل مغرب کے معاشروں کی طرح۔ اب یہ جو ہنس ہنس کے ساتھ میں بیٹھے چائے پی رہے ہیں کیا یہ اپنے آپ کو بہن بھائی سمجھ رہے ہوں گے؟ فحش خیالات تو آہی رہے ہوں گے مرد اور عورت کا تعلق محض آگ اور پٹرول ہے، کیسے ممکن ہے، آگ نہ لگے، شعلے نہ بھڑک اٹھیں۔

مجھے تو دیکھ سن کے ہی دھیان بٹانا مشکل لگتا ہے کجا یہ کہ مخاطب کروں۔ لیکن نظر تو ہر ایک پہ اٹھتی ہے اور ایک ہی خیال سوجھتا ہے، کیسے؟ کب؟ کہاں؟

یہ میڈیکل کالج تو نرا فحاشی کا اڈہ ہے۔ میرا تو یہاں گزارا ممکن نہیں۔ میں ابا کو کہہ دوں گا میری راہ اور ہے مجھے صرف جنت کی حوروں کا انتظار کرنا ہے۔ میں اس بے حیائی کے اس ماحول میں ایک دن اور نہیں ٹھہر سکتا"

بہت برسوں کے بعد اس لڑکے کو میڈیکل کالج میں گزاری وہ مدت یوں فائدہ دیتی ہے کہ حوروں کی پنڈلیوں، آنکھوں، اور دیگر اعضاء کی تفصیل بیان کرنے اور سامعین کی آتش شوق بھڑکانے میں دقت پیش نہیں آتی۔ ہاں کچھ معصوم بے زبانوں پہ تعلیم کے دروازے مزید سختی سے بند کر دیے جاتے ہیں جن کے والدین ایک معزز شخص کی اس گواہی پہ اعتبار کرتے ہیں جس میں درس گاہوں کو بے حیائی کے مراکز قرار دیا جاتا ہے!

❀❀❀

جو چاہئے سو مانگیے

ایک بادشاہ راستہ بھٹک کر کسی ویرانے میں پہنچ گیا، وہاں جھونپڑی تھی اس جھونپڑی میں رہنے والے شخص نے بادشاہ کی بڑی خدمت کی، وہ غریب جانتا بھی نہیں تھا کہ یہ بادشاہ ہے، مسافر سمجھ کر خدمت کی، بادشاہ بہت خوش ہوا، جب جانے لگا تو اس نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور کہا: تم مجھے نہیں جانتے ہو کہ میں بادشاہ ہوں۔ یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھو، جب کبھی کوئی ضرورت ہوگی ہمارے محل میں آجانا، دروازے پر جو دربان ہوگا اسے یہ انگوٹھی دکھا دینا، ہم کسی بھی حالت میں ہوں گے وہ ہم سے ملاقات کرا دے گا۔ بادشاہ چلا گیا، کچھ دن کے بعد اس کو کوئی ضرورت پیش آئی، تو وہ دیہاتی بڑے میاں محل کے دروازے پر پہنچے، کہا بادشاہ سے ملنا ہے، دربان نے اوپر سے نیچے تک دیکھا کہ اس کی کیا اوقات ہے بادشاہ سے ملنے کی، کہنے لگا نہیں مل سکتے، مفلس وقلاش آدمی ہے۔ اس دیہاتی شخص نے پھر وہ انگوٹھی دکھائی، اب جو دربان نے دیکھا تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، یہ بادشاہ کی مہر لگانے والی انگوٹھی آپ کے پاس؟ بادشاہ کا حکم تھا کہ یہ انگوٹھی جو لے کر آئے گا ہم جس حالت میں ہو اُسے ہمارے پاس پہنچا دیا جائے، چنانچہ دربان اسے ساتھ لے کر بادشاہ کے خاص کمرے تک گیا، دروازہ کھلا ہوا تھا، اندر داخل ہوئے، اب یہ جو شخص وہاں چل کر آیا تھا، اس کی نظر پڑی کہ بادشاہ نماز میں مشغول ہے، پھر اس نے دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے، اس کی نظر پڑی تو وہ وہیں سے واپس ہو گیا اور محل کے باہر جانے لگا، دربان نے کہا مل تو لو کہا اب نہیں ملنا ہے، کام ہو گیا۔ اب واپس جا رہا ہے تھوڑی دور چلا گیا، جب بادشاہ فارغ ہو گیا دربان نے کہا ایسا ایسا آدمی آیا تھا یہاں تک آیا پھر واپس جانے لگا بادشاہ نے کہا فوراً لے کر آؤ وہ ہمارا محسن ہے، واپس لایا گیا بادشاہ نے کہا آئے ہو تو ملے ہوئے ایسے کیسے چلے گئے؟ اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت! اصل بات یہ ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ کوئی ضرورت پیش آئے تو آجانا ہم ضرورت پوری کر دیں گے۔ مجھے ضرورت پیش آئی تھی میں آیا اور آکر دیکھا کہ آپ بھی کسی سے مانگ رہے ہیں، تو میرے دل میں خیال آیا کہ بادشاہ جس سے مانگ رہا ہے کیوں نہ میں بھی اسی سے مانگ لوں۔ *یہ ہے وہ چیز کہ ہمیں جب کبھی کوئی ضرورت ہو بڑی ہو یا چھوٹی، اس کا سوال صرف اللہ پاک سے کیا جائے کہ وہی ایک در ہے جہاں مانگی ہوئی مراد ملتی ہے۔* ❀❀❀

ہندو عیسائی لڑکیوں کو مسلمان کرنے کا شوق و توہین کے پرچموں کے سائے

تحریر نوشی بٹ

وطن عزیز میں جہاں آج کل پی ڈی ایم کے جلسوں اور خان صاحب کے منہ پر ہاتھ پھیر کے دھمکیاں دینے پہ بحثیں چل رہی ہیں۔ وہیں دوسری جانب ملک میں مذہبی شدت پسندی کی حالیہ و مستقل لہر منہ زور گھوڑے کی طرح آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ ربیع الاول کا مہینہ اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے۔ کہ اس مہینے ایک تو حضرت محمد ﷺ کی دنیا میں آمد کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ دوسری جانب شادیاں بھی عروج پہ ہوتی ہیں۔ ایسی ہی ایک شادی کا واقعہ ایک دم سے عوام کی توجہ لینے میں کامیاب ہوا۔ تیرہ سالہ مسیحی لڑکی آرزو راجہ اور چوالیس سالہ اظہر کی شادی۔ شادی پہ ہم جیسوں کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ لیکن فورس کنورژن کے بعد غیر مسلم لڑکیوں کی عمر رسیدہ مسلمانوں سے شادی پہ اعتراض ضرور بنتا ہے۔

تیرہ سالہ آرزو راجہ کی گم شدگی کے بعد اچانک پتہ چلتا ہے کہ اس نے قبول اسلام کے بعد چوالیس سالہ اظہر سے شادی کر لی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد غیر مسلم لڑکیاں ہمیشہ نکاح ناموں کے ساتھ ہی منظر عام پہ کیوں آتی ہیں؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی جو اسلام کی ترویج کرتے ہیں۔ غیر مسلموں کو دین اسلام میں داخل کرتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی عمر رسیدہ غیر مسلم مردوں کو مسلمان کر کے اپنی کم عمر مسلمان بیٹیوں سے ان کی شادی نہیں کرائی؟ کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ دین اسلام میں صرف غیر مسلم بچیاں ہی داخل کی جائیں گی۔ اور پھر انہیں کھیتیاں بنا کے ان میں داخل ہوا جائے گا۔ معاف کیجئیے آپ کو برا تو ضرور لگے گا۔ مگر کیا میرے سوال غلط ہیں؟ غلط ہیں تو تصحیح کیجئیے۔

اور اگر درست ہیں تو ان کے جواب ڈھونڈیے۔

یہاں پر سوال یہ بھی ہے کہ آرزو راجہ کی وڈیوز منظر عام پہ آنے کے بعد جو تاثر بنا۔ وہ یہ تھا کہ وہ کہیں سے بھی فورس کنورژن کا شکار بچی نہیں لگ رہی تھی۔ آرزو کے بقول اس نے اپنی مرضی سے شادی کی۔ اور اپنی مرضی سے مسلمان ہوئی۔ میں ضرور اس کی اس بات پہ یقین لے آتی۔ اگر اس کی عمر تیرہ سال نہ ہوتی۔ وہ بالغ ہوتی اور واقعی اس کے دل میں دین اسلام کو سمجھنے کی لگن ہوتی۔ جس طرح ہل ہل کر وہ وڈیو میں اپنی شادی کا اقرار کر رہی ہے۔ بچپن میں ہم ایسے ہل ہل کر مسجد میں قرآن کی دہرائی کرتے تھے۔ اور حفظ کرنے والے یونہی ہل ہل کر سبق سناتے تھے۔ شاید رٹے کا ہلنے سے گہرا تعلق بنتا ہے۔

میرا ایک سوال آرزو کے والدین سے بھی ہے۔ آپ نے بطور والدین اپنی ذمہ داری کس حد تک نبھائی؟ آپ کی بچی اگر کسی کے گھر آتی جاتی تھی۔ یا وہ لوگ آپ کے گھر آتے جاتے تھے۔ تو آپ نے کیوں اس چیز پہ نظر نہ رکھی۔ کہ بچی کے رویے میں تبدیلی آرہی ہے۔ کیوں وہ بچی اپنے باپ کی عمر کے بندے سے شادی کرتے وقت ذرا بھی نہیں ہچکچائی۔ میرے نزدیک انسان یا تو لالچ یا پھر خوف ان دو چیزوں کے اثر سے نکل نہیں سکتا۔ انسان کسی بھی حد تک یا تو خوف کی وجہ سے جاتا ہے۔ یا اپنے لالچ کے ہاتھوں۔

آرزو راجہ کے معاملے میں مجھے بچی کی برین واشنگ کے ساتھ ساتھ لالچ بھی نظر آیا۔ اس کی وڈیو میں جیسے اس نے سونے کے زیورات پہن رکھے تھے۔ کپڑے بھی اچھے تھے۔ تو مجھے یہ فیکٹر بھی اہم لگا کہ اچھے کپڑوں جوتوں و زیور کا لالچ بڑی سے بڑی عمر کی عورت کو بھی بہکا سکتا ہے۔ وہ تو پھر صرف تیرہ سال کی ہے۔ یہاں والدین قصور وار ہیں۔ ان کی تربیت میں کمی ہے۔ انہوں نے اپنی بچی کی اس حوالے سے تربیت نہیں کی۔

آرزو کے معاملے پہ میری بڑی بیٹی میرے پاس آئی۔ کہتی ماما اس کی وڈیو سے نہیں لگتا۔ کہ اسے فورس کیا گیا ہے۔ میں نے کہا بیٹا برین واش کیا گیا ہے۔ بچیاں باتوں میں آجاتی ہیں۔ کل کو آپ کو کوئی ایسے لالچ دے۔ تو میں کیا کر لوں گی۔ اس نے مجھے جوابا اتنے سخت لہجے میں یہ کہا کہ میں کبھی بھی کسی کے کہنے پہ اپنے ماں باپ اور مذہب کو نہیں چھوڑوں گی۔ چاہے کوئی کتنا بھی لالچ دے۔ مجھے جو چاہئے۔ میں خود کما کے لے لوں گی۔

میں چپ کر گئی۔ اگلے دن میری تیرہ سالہ بیٹی کی مثال دیتے ہوئے میں اپنے شوہر کو بتا رہی تھی۔ تو وہ بھی احتجاج کرنے لگی۔ میری مثال مت دیں۔ میں تو کسی کی بات نہیں سنوں گی۔ مجھے کوئی ایسا کہے بھی کیوں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ بچوں میں اتنا شعور تو ڈویلپ ہے۔ کہ کسی کی باتوں میں نہیں آنا۔ یہ اس تربیت کا نتیجہ ہے۔ جو ڈیڑھ سال کی عمر سے میں بچوں کو سکھانا شروع کرتی تھی۔ کہ کسی کی گود میں نہیں جانا۔ کسی کو منہ نہیں چومنے دینا۔ اور کسی سے کوئی چیز لے کر نہیں کھانی اگر کوئی گھر کے دروازے پہ ہماری موت کی اطلاع بھی دے۔ تب بھی اس کے ساتھ نہیں جانا۔ جو چاہئے ہمیں بتائیں۔ ہم لے کر دے سکے تو لے دیں گے۔ ورنہ ہمیں معاف کر دینا۔ اللہ کا شکر ہے۔ بچوں نے کبھی ہمیں شرمندہ نہیں کروایا۔

والدین کی ذمہ داری میں یہ شامل ہے کہ جب تک ان کے بچے بالغ نہیں ہو جاتے۔ وہ ان کو گائیڈ کریں۔ انہیں اچھا برا بتائیں۔ اپنی مرضی کی تعلیم و اپنی مرضی سے ان کی شادی کرنا والدین کی خواہش نہیں ہونی چاہئے۔ ایک اچھا و باشعور انسان

بنانا والدین کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ یہ تو ہو گیا ایک واقعہ اور اس پر تجزیہ۔

دوسرا واقعہ بھی ایسے ہی شدت پسند رویے پہ ہے۔ وطن عزیز میں سب سے زیادہ چلنے والے دھندوں میں رئیل اسٹیٹ دوسرے نمبر پر ہے۔ جبکہ پہلے نمبر پہ مذہب کے نام پہ چلنے والے کاروبار ہیں۔ آپ کوئی کاروبار شروع کر رہے ہیں۔ اس کے نام کے ساتھ مکی مدنی بسم اللہ لگا لیجیے۔ اور جی بھر کے لوٹ مار کیجیے۔ دو نمبر ملاوٹ شدہ مال بیچیے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ بلکہ پوچھنے کی جرأت نہیں۔ حرام موت کون مرنا پسند کرے گا۔

آپ کی کسی کے ساتھ کوئی رنجش ہے، بد قسمتی سے آپ کے پاس کوئی زمین کا قیمتی ٹکڑا ہے۔ یا آپ کسی ایسے مسلک کے پیروکار ہیں۔ جو آپ کے مخالف کے مسلک سے الگ ہے۔ آپ تیار رہیں کہ کسی بھی وقت آپ کی جان لی جا سکتی ہے۔ آپ پہ توہین کا الزام لگوا کے عمر بھر کے لیے جیل میں سڑوایا جا سکتا ہے۔ آپ کی فیملی کو زندہ در گور کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب وطن عزیز میں دھڑلے سے ہوتا ہے۔ پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔

کیونکہ ریاست کی ترجیح میں یہ معاملات نہیں ہیں۔

دو دن پہلے قائد آباد میں گارڈ کے ہاتھوں بنک مینیجر کے قتل نے ایک بار پھر رنجیدہ کیا۔ قاتل کے معاملے میں ریاستی رٹ مکمل طور پہ ناکام نظر آئی۔ ایسا قتل آپ سعودی عرب یا دبئی میں کر کے دکھائیں۔ جیسے یہاں قاتل کو چوما جا رہا تھا۔ چائے پیش کی جا رہی تھی۔ جلوس نکل رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے قتل کرنا کوئی عظیم کام ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ مرنے والا بھی مسلمان و عاشق رسول تھا۔ اور مارنے والا بھی۔ فرق صرف مسلک کا تھا۔ ذاتی رنجش تھی۔ قاتل چالاک تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ قتل کر کے کیسے بچنا ہے۔ کیسے لوگوں کی ہمدردیاں لینی ہیں۔ کیسے مذہب کارڈ کھیلنا ہے۔

وہ شاعر کہتا ہے نہ کہ

جانے کب کون مجھے مار دے کافر کہہ کر
شہر کا شہر مسلمان بنا پھرتا ہے

تو کل ملا کے بات یہ نکلتی ہے۔ کہ پہلے تو آپ اگلوں کو مسلمان کریں۔ پھر ان پہ توہین لگا کے قتل کرتے جائیں۔ مسلمانوں سے غیر مسلموں کی جان بھی محفوظ نہیں۔ اور ایک مسلمان کی جان بھی دوسرے مسلمان سے محفوظ نہیں۔ حل کچھ نہیں ہے۔ جب تک ریاست خود اس بات کو سنجیدگی سے نہیں لیتی۔ سب سے پہلے تو اپنے نصاب سے جنگوں کے کارنامے نکالیں۔ انسانوں کے ساتھ کیسے رہتے ہیں۔ یہ شامل کریں۔ سکولوں کالجوں میں بچوں کو گدھا بنانے کا عمل جاری ہے۔

جنھوں نے سلیبس کو رٹا مار کے ختم کرنا ہے۔ پاس ہو کے اگلی کلاس میں پہنچنا ہے۔ اور بس۔ والدین نے اپنی ذمہ داریاں سکولوں پہ اساتذہ پہ ڈال دی ہیں۔ اور اساتذہ کو خود یہ نہیں پتہ کہ انہوں نے کرنا کیا ہے۔ نہ نئی سوچ، نہ مطالعے کی لگن نہ ہی بنیادی اخلاقیات ہم تربیت کے نام پہ ایک پیسے کی کوشش نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ ہمارا مقصد ہے ہی نہیں۔ ریاست کو عوام کے شعور کی ضرورت نہیں۔ ان کے لیے اپنے مفادات کی جنگ میں سب جائز ہے۔

اور عوام کو جاہل رکھنے میں ہی ان کی بھلائی ہے۔ جب تک ریاست اس مذہبی غنڈہ گردی کو نہیں روکے گی۔ اس کے لیے کوشش نہیں کرے گی۔ کچھ نہیں ہونے والا۔ اگر دنیا میں خود کو انسان منوانا چاہتے ہیں تو انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں بند کریں۔ ورنہ بیٹھ کے اپنی اپنی قبر کے کھدنے کا انتظار کریں۔ کیونکہ اب سبھی کو سبھی سے خطرہ ہے۔

❁❁❁

دسمبر

(ندرت جہاں کاشف جرمنی)

دسمبر آ گیا پھر سے
تمھیں معلوم ہے جاناں؟
بہاریں جب گزرتی ہیں
مرے خاموش آنگن سے
بہت آنسو رلاتی ہیں
ہوائیں جب گلستاں میں
مدھر سے گیت گاتی ہیں
مجھے لگتا ہے ایسے کہ
بہت ہی غل مچاتی ہیں
انھیں کے غل غپاڑے سے

تمھاری یاد کی دیوی
اچانک جاگ اٹھتی ہے
مجھے آ کے لپٹتی ہے
ہری شاخوں کا ہر پتہ
بڑی شوخی میں آتا ہے
ہوا کے سنگ لہرا کر
بڑا اٹھلا کے کہتا ہے
کدھر محبوب ہے تیرا؟
میں ان کو کیا بتاؤں کہ
کہاں محبوب ہے میرا

انھیں اب کیا بتاؤں میں
نیا قصہ سناؤں میں
زخم دل دکھاؤں میں
ابھی میں سوچتی ہی ہوں
چلی جاتی بہاریں کہ
جیسے روٹھ بیٹھی ہوں
میری اس سوچ پر جاناں
انھیں سوچوں کے ریلے میں
دسمبر آ ہی جاتا ہے
یہ اتنا سرد ہوتا ہے

کہ ہر جذبہ ہر اک منظر
سفیدی اوڑھ لیتا ہے
تمھاری یاد کی دیوی
اسی بے رنگ سردی سے
گھبرا کر کہیں دل میں
دبک کر بیٹھ جاتی ہے
تبھی جاناں دسمبر کا مہینہ یہ
مجھے سارے مہینوں میں
بڑا ہی لاڈلا سا ہے

❁❁❁

خوابوں کا بھرم

تحریر سعدیہ تسنیم سحر

”موبائل بھی ایک عجیب نشہ ہے ایک الگ دنیا۔ اپنی ذات میں مکمل جو کہیں دیکھنے نہیں دیتی کسی جوگا نہیں چھوڑتی۔“ اس نے آرام دہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوچا اور مسکرائی۔ موبائل کے ٹھنڈے لمس نے جسم میں ایک انوکھی سی سرشاری بھر دی تھی۔ آنکھیں ہیروں کی کنیوں کی طرح جگمگانے لگی تھیں۔ موبائل اوپن ہوا اسکرین پر لگی بچوں کی تصویر دیکھ کر یوں محسوس ہوا گویا دو ہفتوں کے بعد بچے دیکھے۔ بچوں کا روز کا ساتھ تھا لیکن سکرین پر بچوں کی یہ تصویر ایک نئے تعلق کا دروازہ محسوس ہوتی تھی۔ سچ ہی کہتے ہیں سیانے کہ محبت جان لیوا نہیں ہوتی عادتیں جان لیوا ہوتی ہیں۔ واٹس ایپ، ٹیلی گرام، پر موجود کئی گروپس میں ڈھیروں ڈھیر میسیج ہیں۔ شاعری گروپ میں 2000 میسیج نثر میں 1500 میسیج اور ٹیلی گرام پر تو حد تھی 5600 میسیج۔

”سب نے مجھے کتنا مس کیا ہوگا“ اس نے فخر سے سوچا... روبینہ نے ہر دوسرے شعر میں میری رائے پوچھی ہوگی... عبیرہ کو تو پھولوں سے عشق ہے پتہ نہیں کتنے گلدستے میری صحت سے معنون کئے ہوں گے... سب اتنے پریشان ہوں گے کہ میں کہاں ہوں؟؟... سیبرینہ باجی نے اتنی دعائیں کیں ہوں گی میرے لیے...

بھئی یہ فیس بک کی نقلی دنیا تھوڑی ہے یہ تو محبت کی دنیا ہے...

دعا کی دنیا ہے... ہم سب ایسی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں کہ ہر موتی دوسرے موتی کو سہارا دیئے ہوئے ہے...

ایسا نہیں تھا کہ وہ اس دور کی ان بے وقوف لڑکیوں میں سے تھی جن کا قبلہ و کعبہ ہی موبائل اور سوشل میڈیا ہوتا ہے بلکہ وہ اس دور کی ماں تھی، جو گھر، بچے اور سوشل لائف کو ساتھ لے کر چلتی ہیں خود بھی فٹ فاٹ ہوتی ہیں اور گھر بھی نظر انداز نہیں کرتیں۔ بچوں کو پڑھانا، ان کے ساتھ ٹی وی دیکھنا، ان کے ساتھ کھیلنا، یہ سب ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ لیکن ایک جو چھپا ہوا اپنی ذات کا حصہ ہوتا ہے ناں وہ اپنے آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ شاید اسے ایسی ہی دوستی چاہیئے ہوتی ہے کہ جس میں کوئی دنیاوی سٹیٹس نہیں ہوتا۔

کوئی کسی شکی بیوی کا شوہر نہیں ہوتا۔ کسی بیوی کو اپنے سخت گیر شوہر کے حوالے سے بات نہیں کرنی پڑتی۔ کہیں بچوں کی نالائقی سے شرمندہ نہیں ہونا پڑتا بلکہ ہر شخص صرف اپنی ذات ہی دکھاتا ہے۔

اب اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا کہ سب کچھ ترتیب سے رکھتے رکھتے اپنا آپ کہیں گم ہو گیا تھا کئی ہم مزاج لوگوں کے ساتھ گروپ بنا تو لگا سانس میں سانس آگئی۔ بچوں کو چھٹیاں تھیں تو شوہر نے بھی سرپرائز دیا اور سیر کا پروگرام بنا لیا سو تین چار دن سے وہ اسی پروگرام میں مصروف تھی بچے بھی خوب لطف اندوز ہو رہے تھے بس ایسا تھا کہ موبائل کے لیے وقت ہی نہیں نکل رہا تھا اور کچھ وہ بھی بالکل فارغ ہو کر میسیجز دیکھنا چاہ رہی تھی اس لیے اتنے دن سے موبائل کی طرف دیکھتی بھی کنکھیوں سے تھی۔

اور بالآخر آج وقت مل گیا تھا کاموں سے فارغ ہو چکی تھی

آتی سردیوں کی ہوا ہلکی سی خنکی لیے ہوئے تھی لیکن ایسی سبک کہ سرشار کر دے خود بخود دل جھومنے گنگنانے لگے۔ ”پہلے ٹیلی گرام کہ پہلے واٹس ایپ“

اس نے خود سے ہی ٹاس کیا اور پھر مسکراتے ہوئے ٹیلی گرام اوپن کیا۔ کچھ میسیج ہلکے سے مسکراتے ہوئے پڑھے بھئی باوفا لوگ ہیں اب اگر اتنے دن کی غیر حاضری کی ہے تو میسیج تو بغیر پڑھے ڈیلیٹ نہیں کرنے ناں۔

جیسے جیسے میسیج آگے بڑھتے جا رہے تھے مسکراہٹ سمٹتی جا رہی تھی۔

پہلے بے چینی... پھر حیرت... اور پھر دکھ...

چٹھی نہ کوئی سندیس...

پریم پتر تو دور کسی نے اس کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا... کسی نے کوئی کمی محسوس ہی نہ کی...

اتنے رنگا رنگ پھولوں، قہقہوں اور گیتوں کے باوجود موت کا سا سکوت چھا گیا...

بول مٹی دیا باویا... ہوا میں رچی نرم سی خنکی موسلا دھار بارش کا روپ دھار گئی جو گرتی ہے اور بہت کچھ بہا کر ساتھ لے جاتی ہے۔

دیئے کی لو جھلملانے لگی... یوں لگا کہ دل کا کاسئہ خالی ہو گیا۔

بادِ مرگ چلنے لگی...

پڑ چھتی پر پڑا مٹی کا باوا نیچے گرا اور ٹھیکریاں دور دور تک پھیل گئیں۔

❁❁❁

اونچا شملہ

تحریر اچھی آپا

مہمانوں کی گہما گہمی میں تقریبا" ہر چہرے پہ خوشی تھی سب اپنے اپنے رنگ برنگ نفیس پہناووں اور میچنگ شوز، میچنگ جیولری ایک دوسرے کو اپنی اپنی پسند سے متاثر کرنے کی فکر میں لگے تھے شادی بھی آج کے دور میں خاندانی مسائل یا آپسی رنجش کو ختم کر کے مل بیٹھنے کا ایک ذریعہ اور موقع ہی تو ہے پر بعض لوگوں کے لئے سب ٹھیک ہوتے ہوئے بھی یہ موقعے بھی بس تکلیف یا ذہنی اذیت کا باعث ہوتے ہیں ذہنی اذیت بے جوڑ رشتوں کی، اذیت بے وجہ رشتوں کو نبھاہنے کی خاطر اور بعض اوقات کسی خاندان یا قبیلے میں جاہلیت کی بناء پہ چلتی دشمنی ختم کرنے کے لئے بیٹیوں کو قربانی کی چاہے بچی کی ساری زندگی دردناک اور خوفناک ظلم سہتے بیماریوں میں مبتلا ہونے یا ذہنی مریض ہو کر مینٹل ہاسپٹل پہنچنے تک ہو جائے لیکن دور چاہے پیدل سفر کا ہو یا ہوائی سفر کا، عورت کی حیثیت چاہے گھر میں محض ایک گھر کے ملازم کی تھی یا اب شانہ بشانہ ہر فیلڈ میں مردوں سے کندھے سے کندھا ملا کر چلنے کا دور,, اس کو قربان ہونا تھا ہونا ہے اور شاید تا قیامت ہوتی رہے گی۔

عافیہ کی بھی کچھ ایسی ہی کہانی تھی وہ پہلے خود خاندانی دشمنی ختم کرنے کے لئے بیاہی گئی اور اب،،، اسکی محض انیس سال کی بیٹی تابندہ،،، وہ بھی باپ کے قرضے اور خاندان بھر کی ضد کی وجہ سے ایک پہلے سے شادی شدہ تین بچوں کے باپ سے بیاہنے جا رہی تھی عافیہ کے گھر والے بہت بڑے زمیندار تھے اور وہ دو بہنیں اور ایک بھائی تھا بھائی باوجود ابا کے بہت کرخت اور اصول پسند ہونے کے ماں اور بیٹیوں کے ڈھکے چھپے بے وجہ لاڈ پیار سے کافی حد تک بگڑ چکا تھا- کافی حد تک اس لیئے کہ وہ باپ سے تو ڈرتا تھا لیکن ماں اور بہنوں سے ضد کر کے ہر بات منوا لیتا- دونوں بہنیں شہر کے کالج تک گئی تو تھیں, لیکن انہیں ادھر ادھر اکیلے جانے یا کسی غیر نصابی سرگرمی میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی وہ باپ سے ڈرتی تھیں لیکن ان کے اصولوں کا احترام بھی کرتیں تھیں کہ والدین کے اصول بیٹیوں اور بیٹوں کے بھلے کے لیے ہے۔سو بی-اے تک تعلیم آرام سے حاصل کر گئیں اب انکے اکلوتے بھائی صاحب نہ تو پڑھائی میں دلچسپی نہ کام میں۔ ابا نے زمینداری کے لئے زیادہ کام یا نوکروں پہ رکھا تھا اور خود نگرانی کرتے سو صاحبزادہ میٹرک کے بعد ہی ہواؤں میں اڑنے لگے- کالج آتے جاتے مستی کرتے ایسے ہی دوسرے گاؤں کی ایک خوشحال گھرانے کی لڑکی کے چکر میں ایسے پڑے کہ بات خط و کتابت تک آ پہنچی۔ بھلا یہ باتیں کب تک چھپتی ہیں اور پھر لاڈلے میاں تو ویسے بھی فخریہ دوستوں کے ساتھ شئیر بھی کرتے- انجام کار بچی کے کالج بیگ سے ایک دن خط اسکی بڑی بہن کے ہاتھ لگا، بہن سے ماں اور پھر باپ تک پہنچتے دیر ہی نہ لگی- وہ ٹیلفون ڈیپارٹمینٹ میں اچھے عہدے پر تھے آفیسر لوگوں سے دعا سلام انہوں نے پیچھا کیا کالج روڈ پہ اسے بچی پہ آوازیں کستے اور شعر گنگناتے پکڑ لیا اور خوب دھلائی کی-

صاحبزادے چوٹیں لئے گھر پہنچے دوستوں کا جم غفیر،، جو دوست کم تماش بین زیادہ تھے، ساتھ آئے گھر تک چھوڑنے اور ساتھ مصالحے دار کہانی بھی-

ڈیرے پہ چوہدری صاحب کی ملازمین کے سامنے ہی سارا پول کھول دیا اور سارے گاؤں میں بات پھیل گئی۔ ہر کوئی آتے جاتے اشاروں کنائیوں سے بات کرنے کہنے کی کوشش کرتا چوہدری صاحب نے ہمت اور حوصلے سے کام لیا۔ ساری باتیں دیکھ اور سن رہے تھے بیٹا بھی اس دن سے کالج جانا بند کر کے بیٹھا تھا ایک تو شرمندگی دوسرا آتے جاتے دوست اسے انکی طرف سے قانونی کاروائی کا کہہ کر ڈرا گئے تھے چوہدری صاحب ڈیرے پہ بیٹھے بیج کھیتوں میں ڈلوانے کی تیاری کر رہے تھے فصلوں کی بجوائی سر پہ تھی کہ گاؤں سے ملحقہ تھانے کا تھانیدار جو چوہدری صاحب کا اپنا ہی آدمی تھا وہ آ گیا اس نے بتایا کہ بچی والے بجائے شرمندگی چھپانے اور بچی کی شادی کر دینے کا سوچ رہے ہیں- بلکہ میرے پاس بھی آئے تھے گو کہ کھل کر بات نہیں کی بس اس دن کے واقعے کا کہہ کر دھیان رکھنے کا ہی کہا ہے. - لیکن جناب اس طرح دشمنی کی جڑ پکڑ جائے گی۔ بچہ ہے باہر تو نکلنا ہی ہے کہیں آتا جاتا دیکھ کے کوئی خوامخواہ رُعب ڈالنے کی کوشش میں پنچ حرکت کر دے اور دونوں جانب بغیر کسی وجہ کے ایک نئ دشمنی نبھاہنی پڑ جائے- چوہدری صاحب امن پسند تھے ویسے بھی باپ دادا کے بعد بڑے بھیا نے زمیندارہ میں دلچسپی لی نہ کوئی کاروبار کیا۔ بس، اپنا ٹھیکہ لینا اور اپنا خرچہ لیتے بس۔سو بات بڑھانا نہیں چاہتے تھے- گھر آ گئے اور اپنے بڑے بھائی اور دوست سے مشورہ کیا- انہوں نے مشورہ دیا کہ بجائے اسکے کہ بات بڑھے وہ پہلے مارنے آئے تھے، پھر پولیس اسٹیشن، یہ تو عزت پہ حرف آنے والی بات ہے کل کو پولیس تھانے کے چکر میں صرف بچی والوں کی ہی نہیں بلکہ ہم سب کی بھی بے عزتی ہے کہ کسطرح کے معاملے میں چوہدری صاحب تھانوں کے چکر کاٹ رہے ہیں- سو فیصلہ ہوا کہ بجائے لڑنے اور مرنے مارنے کے مصلحت پسندی سے کام لیا جائے- صاحبزادے کو گھر چھوڑ کر گاڑی میں چار بڑے لوگوں کو لے کر بچی کے والدین کے پاس چلے گئے اور بڑی عاجزی سے معذرت خواہانہ انداز میں بات کی نزاکت سمجھائی پہلے تو وہ لوگ بہت بھڑکے لیکن پھر انکے بھی ایک دو بزرگوں کے سمجھانے پہ بات چھوڑنے پہ راضی

ہو گئے- اُٹھنے سے پہلے بڑے بھائی نے عجیب بات کر دی عجیب اس لئے کہ چلنے سے پہلے طے شدہ نہیں تھی-

انہوں نے کہہ دیا کہ اگر اعتراض نہ ہو تو اتنی جائیداد کے اکلوتے وارث سے بڑھ کر آپ کو بچی کے لئے چاہئے بھی کیا؟ کیا حرج ہے اگر بچی بچے کو شادی کے بندھن میں باندھ لیا جائے جس پہ ایک بار پھر بات تو تو میں میں پہ آ گئی لیکن واپسی کے لئے اُٹھتے ہوئے ان کے قدم ان لوگوں کو بھی کسی فیصلے پہ لا چکے تھے-

اگلے ہفتے ہی ایک نمائیندہ آیا اور رشتے کی بات کرنے کے لئے آنے کا کہہ گیا

چوہدری صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے کہ انسان کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے۔ چلو بھائی نے اچھا ہی کیا شادی تو کرنی ہے، یہیں سہی۔ ہاں وہ بھی اچھی ریپوٹیشن والے تھے مگر زمینداری میں ان سے بہت چھوٹے تھے- انکی صرف چند ایکڑ زمین تھی اور وہ بھی وہ خود نہیں سنبھالتے تھے پھر بھی سوچا کہ اچھا ہے بچی بھی دب کر رہے گی اور بچے کی عزت بھی بحال رہے گی اور ویسے بھی بچے کی پسند ہے۔ گو کہ چوہدری لوگوں کے لئے اس طرح کے واقعات کوئی بڑی بات نہیں ہوتے لیکن عزت اور وقار پہ حرف تو آتا ہے- پھر اور ان لوگوں کی باتیں بریکنگ نیوز کی طرح فوراً سارے گاؤں بلکہ اِدھر اُدھر بھی پھیل جاتی ہیں چوہدری صاحب چند رشتے داروں کو لے کر چلے گئے وہاں جا کر انکے استقبال اور راؤ بھگت سے بہت متاثر ہوئے شاید پہلی بار موقع ہی ایسا تھا کہ وہ بھی پریشان اور غصے میں تھے اور ان لوگوں پہ بھی غیرت کا مسئلہ ذہن و دل پہ سوار خیر رشتہ کی ہاں ہو گئی- مگر انہوں نے شرط رکھ دی کہ چونکہ رشتہ خواہش سے نہیں بلکہ مجبوری سے ہو رہا اس لئے آپ بھی اپنی بڑی بیٹی کا رشتہ ہمارے بڑے بیٹے کو دیں۔ بڑے بچے نے پڑھائی میٹرک تک ہی بمشکل حاصل کی تھی نہ وہ پڑھنے کو مانا تو پھر باپ نے اسے بھی اپنے ہی محکمے میں کچھ لے دے کر کے کچھ سفارش سے چھوٹی سی پوسٹ پہ بھرتی کروا لیا تھا- اب تو چوہدری صاحب کو سانپ سونگھ گیا- وہ تو اپنے بیٹے کی شادی ہی اپنے جیسے زمینداروں میں کرانا چاہتے تھے بس بیٹے کی وجہ سے مجبور ہو گئے تھے اب بیٹی ان سے کہیں کم حیثیت والے گھر میں بیاہی جائے گی اس بات پہ وہ خاموش ہو گئے- یہ ٹھیک ہے ہمارے بچے نے غلطی کی ہم نے معذرت کر لی اور تو اور بات ختم کرنے کے لئے رشتہ بھی مانگ لیا لیکن اپنی بیٹی،،، کچھ سوچنے کا کہہ کر وہ گھر آ گئے-

ہم کسی سے ڈرتے تھوڑی ہیں وہ تو مصلحت کی وجہ سے ہاتھ بڑھایا اب وہ پورا ہاتھ ہی،،، چوہدری صاحب ڈیرے پہ بیٹھے بول رہے تھے- تو ٹھیک ہے رہنے دو پر دیکھ لو سرکاری ملازم ہے ان کا بیٹا، تسلی دی گئی تھی۔ بھائی کی طرف سے،، ہوں،،،،

چوہدری صاحب نے بھی غور کیا پھر عافیہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا اور یہ شادی جسے گاؤں میں شادی کم وٹہ سٹہ،، زیادہ سمجھا جاتا ہے کی بھینٹ چڑھ گئی۔ چوہدری صاحب کے وقار میں اضافہ ہوا جو باتیں بنا رہے تھے وہی تعریف کر رہے تھے کہ چوہدری صاحب نے بیٹے کی بات بگڑنے سے بچائی اور کسی کی عزت کو رلنے اور برباد ہونے سے بچا لیا تھا،، چوہدری صاحب کے ساتھ ساتھ انکے بھائی بھی چلتے پھرتے اکڑ رہے تھے کہ ہم نے اپنی حیثیت سے کم لوگوں کی بچی کو تہمت لگ کر بیٹھے رہنے سے بچا کر اپنے گھر کی بہو بنا لیا چوہدری صاحب تو معتبر ہو گئے دو دو فرض بھی ادا ہو گئے- یہ علیحدہ بات ہے کہ گھر میں آنے والی چوہدرانی ہو گئی پر جو گھر سے نکلی نوکروں میں پلی بڑھی۔ دوسرے گھر خاموش نوکرانی بن گئی اور پھر کم پڑھائی لکھائی کے پیچھے بھی آوارگی زیادہ اور مجبوری کم تھی گو اپنا بھائی بھی ایسا ہی تھا پر وہ پھر بھی باپ سے ڈرتا تھا ادھر تو باپ کا ڈر کیا احترام اور عزت بھی کم تھی اور بیوی تو جوتی کے برابر درجہ رکھتی تھی،

،، سوچیں بار بار اپنی ازدواجی زندگی کے اتار چڑھاؤ میں الجھ رہیں تھیں- اور اب اتنے سالوں بعد بیٹی کی باری آئی تو وہ بلکل ہی بے بس تھی اور تو اور اس وقت تو اسکے میکے میں بھی صرف اس کا چھوٹا بھائی تھا جسے اپنی ذاتی زندگی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا بھابھی کے زیر اثر تھا جو اسکی ہی نند تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اپنی پھول جیسی بچی کو اس قربانی بھینٹ چڑھنے سے کیسے بچائے۔ اور پھر وہ کر بھی کیا سکتی تھی خاوند جو بیٹیوں کو بوجھ سمجھتا تھا ابھی تو اسکی بھی صرف دو ہی بیٹیاں اور دو ہی بیٹے تھے پر اپنی بہن کے واقعے کے بعد وہ احتیاطاً بچیوں کو گاؤں سے باہر پڑھانے نہ بھیجنا چاہتا تھا سو بیٹیاں بھی میٹرک تک ہی ریگولر پڑھ سکیں تھیں اور بمشکل بڑی نے ایف اے ہی کیا تھا کہ اسکی نند تین بچے چھوڑ کر جن کی عمریں دس سے چھ سال کے بیچ تھیں چند دن بیمار ہو کر چل بسی اسکا خاوند دوسری شادی کرنا چاہتا تھا- وہ تھا تو بڑا مالدار اور کاروباری لیکن گھر سنبھالنا اور بچوں کی نگہداشت کسی پکی عمر کی عورت کا کام ہے ناں کہ انیس برس کی نادان عمر کی بچی اتنی ذمہ داری نبھا سکے پر اسکے خاوند کی نظر اپنے بہنوئی کی دولت پہ دھیان تھا. نہ کہ بچی کی خوشیوں اور اسکی سہولتوں کی طرف، کیونکہ اپنی لاپرواہی کی وجہ سے وہ کافی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا- اور ایک دولت مند بہنوئی کو جوان بچی کا رشتہ دوبارہ دے کر اسے خوش کرنے کے پیچھے وہ اسکا مقصد جان چکی تھی- اس نے ہر چند اس محاذ پہ لڑنے کی کوشش کی رشتے والی کے لائے رشتوں کو بھی سامنے رکھا لیکن سوائے لڑائی اور دھمکیوں کے کچھ نہ ملا- اور یہ رشتہ طے کر دیا- عافیہ کا دل بجھ گیا اسکا ساتھ کون دیتا بھابھی تو خود اس سازش میں برابر کی شریک تھی کہ ہمارے بھانجے بھانجیوں کو اپنے گھر کی بچی ماں کے روپ میں مل جائے گی ویسے بھی یہ تو بچوں سے مانوس ہے اور انکی طبیعتوں کو سمجھتی ہے۔

ہر ایک اس رشتے کے حق میں تھا اور وہ تجاویز دے دے کر چپ ہو گئی تھی یوں جیسے یہ اسکی بیٹی کی نہیں بلکہ کسی غیر کی شادی ہے

اسے لگا آج سے بائیس برس پہلے جسے وہ اپنے لئے زیادتی سمجھ رہی تھی وہ اس زیادتی سے بہت کم تھی جو اسکی بیٹی کے ساتھ ہونے جا رہی تھی گو کہ اکثر اس طرح کی شادیاں ہو جاتی ہیں کبھی بہن کے بچوں کی ذمہ داری نبھانے پہ کبھی پھوپھو کے تو کبھی خالہ کے

بچوں کی لیکن یہ شادیاں طے کرنے والے اس طرح رشتے نبھانے والے کیا ایک بچی کے احساسات اور اسکی خواہش کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ کیا ان ذمہ داریوں کو کوئی اور ضرورت مند عورت پورا نہیں کرسکتی؟ جو خود ان حالات کا بے چارگی کا شکار ہو یا ضروری ہے کہ قربانی کے بکرے کی طرح بولی لگا کر کسی بھی کھونٹے کے مالک کے ہاتھ میں رسی پکڑا کر باندھ دیا جائے مرد اپنی کہی نبھانے یا اپنی مجبوریوں پہ صرف عورت کو ہی کیوں ذبح خانے لے جاتے ہیں اپنے کہے کا پاس رکھنے کو اپنے وقار کو بلند کرنے کے لیے صرف معصوم بچیاں ہی کیوں بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں؟ وہ رخصتی کے وقت دھاڑیں مار مار کر روئی بائیس سال پہلے اسکے باپ کی عزت پہ اسکی مرضی پوچھے بنا شادی کر دی گئی اور آج اسکی بچی کے لئے تو عزت اور وقار نہیں بلکہ باپ کی دولت کہ ہوس اور لالچ جسے وہ بچی کو پیش کر کے حاصل کر سکتا تھا، ایک اور مرد نے جسکو اس نے ساری جوانی دے دی اسکا گھر اور بچے سنبھالے اسکی زیادتی، ظلم سب سہ کر بھی اف نہ کیا اسکی ہی بیٹی کی شادی میں اسکی مرضی پوچھنا کجا اسکی منتیں بھی نہ دیکھیں اسکے احتجاج کی بھی پرواہ تک نہ کی ہاں آج اسکی بیٹی اپنے باپ کے اچے شملے پہ قربان ہونے جا رہی تھی۔ عورت کی قسمت میں لکھا ہے قسم نبھاہے اور وہ بھی چپ چاپ۔ یہ سب سہنے پہ معاشرہ اور اسکے نام نہاد ٹھیکدار مردوں نے مجبور کیا۔ جو صرف دنیاداری اور رشتہ داری کے لئے ہر حکم پامال کر کے اپنا شملہ اونچا رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں بنت حوا قربان ہوتی آئی ہے، ہو رہی ہے، اور شاید ہوتی رہے گی۔

❁❁❁

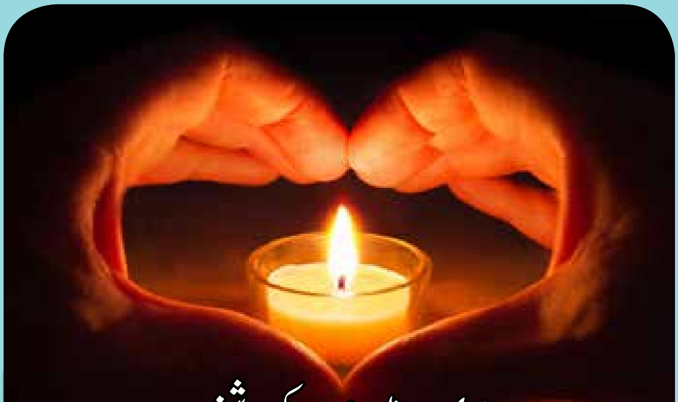

ہماری راہ میں محبت کی روشنی ہو

سعدیہ قریشی-یو کے

محسوس بہت تیری کمی ہو
ہماری آنکھوں میں پھر نمی ہو
کرو وہ بات جو اَن کہی ہو
جو ہم نے نہ کبھی سُنی ہو
شام جھل مِل، رات چاندنی ہو
ہماری راہ میں محبت کی روشنی ہو
تیری یاد سے کھِلی دل کی کلی ہو
رنگین تتلی جیسے کوئی اُڑی ہو
نظر ہماری بات جب کر رہی ہو
کتنی حسین پھر یہ خاموشی ہو
مکمل تیری وفا سے میری کہانی ہو
بِن تیرے نہ کوئی دلکشی ہو
تمھارے لئے یہ دنیا سجی ہو
ہمارے لئے بس صرف تم ہی ہو

❁❁❁

سچائی کا سورج

امۃ الباری ناصر

سچائی کا سورج نکلا ہے آنکھیں کھولیں، دیکھیں تو
اک چشمۂ صافی پھوٹا ہے پی لیں ذرا سا چکھیں تو
ہم لوگوں کی خوش بختی ہے وقتِ مسیحا پایا ہے
اب قرب کا میداں خالی ہے اس کی جانب جائیں تو
دنیا سے لینا دینا کیا خوداس کا دامن خالی ہے
جو داتا سب کا رازق ہے ہم ناتا اس سے جوڑیں تو
شر پھیل گیا ہے دنیا میں ہر خیر ہے پیارے مولا میں
ظلمت سے نور میں لاتا ہے ہم اس کا دامن تھامیں تو
جو اس کے طالب ہوتے ہیں وہ اس کو پا ہی لیتے ہیں
وہ دل میں گھر کر لیتا ہے ہم دل سے اس کو چاہیں تو
ما لک بڑا دل والا ہے کرتا ہے شفقت بندوں پر
بخشش کی اس کو عادت ہے ہم اس سے بخشش مانگیں تو
اچھا ہے محبت سے رہنا کیا دل میں رنجش رکھنی ہے
یوں روٹھے روٹھے رہنے سے کیا ہوگا حاصل سوچیں تو

❁❁❁

آپ کے گھر ماسی نہیں آتی؟

تحریر راضیہ سید

یہ صرف آج کی نہیں بلکہ ہمیشہ کی ٹینشن ہے کہ آج پھر ماسی نہیں آئی۔ کیونکہ پہلے تو گھر میں کام کرنے والے ملازمین کی تلاش ایک مشکل امر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہر بندہ قابل اعتبار نہیں کہ وہ آپ کے گھر کا آپ کی طرح خیال رکھ سکے۔ اور اگر مل بھی جائے تو پھر ان کے نخرے دیکھو۔ کبھی تنخواہ بڑھانا تو کبھی کھانا پینا، کپڑے جوتے بھی ساتھ دینا، ان سب سہولتوں کی فراہمی اب ایک طرح کی روایت بن چکی ہے۔

یہ ہے ایک سائیڈ کے لوگوں کی رائے اور دوسری طرف ایسے افراد ہیں جن کا یہ ماننا ہے کہ گھروں میں کام کرنے والے افراد کے ساتھ باقاعدہ زیادتی کی جاتی ہے۔ نہ تو ان کا مشاہیرہ مناسب ہوتا ہے اور نہ ہی انھیں چھٹی لینے کے لیے کوئی رعایت دی جاتی ہے، الٹا ایک دن بھی وہ چھٹی کر لیں تو اگلے دن ایک طوفان ان کا منتظر ہوتا ہے اور قلیل تنخواہ میں سے بھی کٹوتی ہو جاتی ہے۔

اس سارے منظر نامے میں دونوں مکاتیب فکر کی باتیں درست بھی ہیں اور غلط بھی۔ ہم نے گھر میں کام کرنے والے خدمت گزاروں کو انسان سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ کبھی انھیں باسی سالن اور روٹی دے دی جاتی ہے تو کبھی کسی بہانے سے ایسے کپڑے دے دیے جاتے ہیں جو ہمارے تو کیا کسی کے بھی پہننے کے قابل نہیں ہوتے۔ گھروں میں کام کرنے والے بچے تو اور بھی مظلوم ہیں کہ ان کے ماں باپ کو ان کی بالکل پروا نہیں ہوتی، مالکان ان کے ساتھ حد درجہ برا سلوک روا رکھتے ہیں اور پھر انھیں کوئی کڑی سزا بھی نہیں ملتی۔

کیونکہ ہمارے ہاں قانون صرف اور صرف کاغذوں کا پیٹ بھرنے اور سیاہی بھرے قلم خالی کرنے کے لیے بنے ہیں تو جب یہ صرف کاغذی کارروائی ہی ہے تو ظاہر ہے اس کے اطلاق کے لیے اقدامات اور ان کا انتظار کرنا چہ معنی دارد؟

لیکن آج کے اس دور کا ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کو عار سمجھ لیا ہے۔ خواتین یہ بالکل نہیں چاہتیں کہ مارننگ شو میں ہونے والی شادی بیاہ کی رسومات، بیوٹی ٹپس اور نت نئے کھانوں کی ترکیبیں دیکھنا چھوڑ کر گھر کے برتن ہی مانجھ لیں۔ زیادہ برا تو تب ہوتا ہے کہ بہت سی خواتین کھانوں کی تراکیب نوٹ کرتی ہیں اور بچوں کی شکایت یہ ہوتی ہے کہ آج پھر ٹینڈے پکا لیے گئے۔

زیادہ تر گھروں کا نظام ایسا ہوتا ہے کہ سارا گھر نوکرانی پر چھوڑ کر خود آرام کیا جا رہا ہے۔ ہاں جب کچھ چوری ہو گیا اور برتن گندے دھل گئے، نوکرانی سیاہ و سفید کی مالک بن کر اچانک چھٹی کر گئی اور آپ کو دو بدو جواب دینے لگی تب آپ کو علم ہوا کہ اب تو پانی سر سے گزر گیا۔ دیکھا جائے تو ہماری زندگی سوال در سوال بن کر رہ گئی ہے۔ آج اس خاندان کو بہت ہی معیوب سمجھا جاتا ہے جن کے گھروں میں میڈ نہیں۔ جو لوگ اپنے گھر کا کام خود کر لیتے ہیں انھیں بڑی آسانی سے یہ کہہ دیا جاتا ہے بھئی آپ تو بہت کنجوس ہیں، دفتر سے آنے کے بعد بھی گھر کا کام خود ہی کرتے ہیں بھئی کوئی نوکرانی ہی رکھ لیں مطلب ماسی، نوکرانی، میڈ، گھروں میں کام کرنے والیاں بھی اب ایک اسٹیٹس سمبل بن گئی ہیں جس کے مطابق انسان کی زندگی معاشرتی اور معاشی اعتبار سے تولی جانے لگی ہے۔ کسی بھی انسان کی اہمیت اور عظمت یوں محسوس نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے گھر کے کام خود سر انجام دیتا ہے، بلکہ اس کے گھر میں کام کرنے والے نوکروں کی تعداد سے اس کے معاشی رتبے اور اس کی عزت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

یہ رویہ آخر کب تبدیل ہو گا؟ کب ہم گھر کا کام کرنے والے ملازموں سے امتیازی سلوک بند کریں گے؟ کب ہم انھیں بھی انسان سمجھیں اور ان کو تازہ کھانا اور معقول مشاہیرہ دیں گے اور کب تک اپنے گھروں کا کام خود کرنے میں شرم محسوس نہیں کریں گے؟

❁❁❁

راہ چاہ شکستہ اور زخم آبلہ پائی

(سعدیہ تسنیم سحر)

راہ چاہ شکستہ اور زخم آبلہ پائی
کونسے نگر اتریں چاند کے تمنائی
راکھ آرزووں کی شہر دل میں اڑتی ہے
"اور کیا دکھائے گی یہ طویل تنہائی"
عکس تیرے چہرے کا میرے رخ سے جھلکے ہے
نقش خود بتاتے ہیں کس سے ہے شناسائی
دوستی ہے پتھر سے آشنا ہیں کانٹوں سے
زخم سے ہی بڑھتی ہے عاشقوں کی زیبائی
عشق نے مقدر سے دہری مات کھائی ہے
ہجر میں ہے تنہائی وصل میں ہے رسوائی
کون ہم سے پوچھے گا کون ہم کو لکھے گا
قصہ اس محبت کا جو کبھی نہ مل پائی
ہم نہ ہار مانیں گے، ہم نہ تھک کہ ٹھہریں گے
راستوں کو کھوجیں گے منزلوں کے شیدائی

❁❁❁

بڑی ناکامی سے بڑی کامیابی کیسے جنم لیتی ہے؟

تحریر ڈاکٹر شائستہ جبیں

پانچ کہانیاں جن کے مرکزی کرداروں نے زندگی میں بہت زور کی ٹھوکر کھائی لیکن ہار نہ مانی اور شاندار کامیابی حاصل کی

زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ انمول اور سب سے قیمتی نعمت ہے۔ اس کے ہر لمحے سے لطف اندوز ہونا انسان کا حق ہے۔

زندگی کے ہر ہر لمحے سے لطف کشید وہی کر سکتا ہے جو زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کی ہمت کرتا ہے، جو کولہو کے بیل کی مانند ایک ہی دائرے کے گرد نہیں گھومتا، بلکہ زندگی کی وسعتوں سے آگاہی حاصل کر کے نت نئے تجربات کرتا ہے اور خود کو قلبی و روحانی خوشی سے ہمکنار کرتا ہے۔ ایک ہی طرزِ زندگی اور یکسانیت انسان کو بوجھل اور رنجیدہ کر دیتا ہے۔

روزانہ ایک ہی گھر میں اُسی کمرے میں جاگنا، وہی کپڑے پہننا، اُسی سواری پر اسی ملازمت پر جانا ایک عام روزمرہ معمول ہے لیکن کبھی کبھی اپنے آرام دہ خول سے باہر نکل کر کچھ نیا اور اچھوتا کرنا آپ کو دلی اور روحانی خوشی سے ہمکنار کرتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ ایک ہی معمول کے تحت زندگی گزار دیتے ہیں اور اپنی بےزاری، سستی سے نجات کے لیے جرات مندانہ اقدام کرنے کی ہمت نہیں کر پاتے۔

ملازمت چھوٹ جانا، گھر سے بے گھر ہونا، خاوند سے علیحدگی ہوجانا، کسی حادثے کا شکار ہونا ان سب میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے آپ زندگی اور اس کی امنگوں کا اختتام قرار دے کر مایوس ہو کر بیٹھ جائیں۔ مشکلات ہمیں مایوس کرنے کو نہیں بلکہ زندگی کے نئے اور اچھوتے پہلوؤں سے روشناس کرانے آتی ہیں۔ مشکل وقت زندگی کا اختتام نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات نیا آغاز ہوتا ہے۔

بس اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور ہر اندھیری رات کے بعد اجالا ہوتا ہے۔ خطرات سے کھیلنا اور زندگی کے دیئے گئے امتحانات کو قبول کرنا نہ تو ہر ایک کے بس کی بات ہوتی ہے اور نہ ہی ہر شخص اس امتحان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ کامیابی انہی کے لیے ہے جو کامیاب ہونے کی ٹھان لیتے ہیں۔ ہمارے ارد گرد دنیا میں مختلف لوگوں کو پیش آنے والی مشکلات نے کیسے ان کی زندگیوں کا رخ بدلا، آیئے! چند مثالوں کے ذریعے جانتے ہیں:

فراز صاحب کو ترپن سال کی عمر میں ایک ریستوران کی بہترین انتظامی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ وہ جانتے تھے کہ اس عمر میں کوئی نئی اور اچھی ملازمت حاصل کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے اپنا ریستوران بنانے کے خواب دیکھتے تھے، ملازمت سے فارغ ہونے پر انہیں پھر اس دیرینہ خواب نے ستانا شروع کر دیا۔ دلچسپ امر یہ تھا کہ وہ کسی نمایاں جگہ پر کوئی چلتا ہوا ریستوران لینے کے خواہشمند تھے تاکہ انہیں اس عمر میں صفر سے آغاز نہ کرنا پڑے اور اس سے بھی دلچسپ بات یہ تھی کہ اس سب کے لیے ان کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔

خوش قسمتی سے انہیں اپنے گھر سے ذرا سے فاصلے پر ایک ایسا ریستوران مل گیا، جس کا مالک اپنے معاشی بحران کی وجہ سے چلتا کاروبار بیچنے کا خواہشمند تھا۔ ہمیشہ سے اپنے ہوٹل کا خواب دیکھنے کے باوجود انہوں نے اس مقصد کیلئے کوئی سرمایہ محفوظ نہیں کیا تھا (آپ خواب دیکھتے ہیں تو ان کو پورا کرنے کی منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ سرمایہ بھی محفوظ کریں، تاکہ زندگی اگر کبھی خواب کی تکمیل کا موقع دے تو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے خواب ادھورا نہ رہے)۔

فراز صاحب کے دوست احباب اور اہل خانہ اس موقع پر ان کے کام آئے اور انھیں سرمایہ فراہم کیا، یوں انھوں نے ریستوران خرید کر اسے ازسرنو ترتیب دینے میں اپنی ساری صلاحیتیں وقف کر دیں۔ انہوں نے نام سے لے کر کھانے کا مینیو، بیٹھنے کی ترتیب اور تزئین و آرائش نئے سرے سے کی، ہوٹل کی ظاہری وضع بدلنے میں ان کی بیوی نے اپنی حسِ آرائش کا بھرپور استعمال کیا۔ ان خوبصورت تبدیلیوں کے باعث لوگوں کی بڑی تعداد ریستوران کی طرف متوجہ ہوئی۔ دو سالوں میں انہوں نے نہ صرف سارا قرض چکا دیا بلکہ نفع بھی کمانا شروع ہو گئے۔ آج انہیں اس ریستوران کو کامیابی سے چلاتے اٹھارہ سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے اور وہ بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی سے اپنے ذاتی من پسند کاروبار کا لطف لے رہے ہیں۔ وہ ملازمت چھوٹ جانے کو اس حوالے سے نعمت قرار دیتے ہیں کہ اگر ان کی ملازمت ختم نہ ہوتی تو وہ کبھی اپنا خواب پورا نہیں کر سکتے تھے۔

☆☆☆

عباس چالیس سال کی عمر میں پانچ فٹ چھ انچ قد کے ساتھ تین سو ساٹھ پونڈ وزن کے حامل ایک بھاری بھرکم شخص تھے۔ انھوں نے ایک سو اسی پونڈ سے زیادہ وزن ”نیند لانے کے مصنوعی طریقوں“ کے ذریعے کم کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ورزش، خوراک اور مشاورت بھی باقاعدگی سے حاصل کرتے رہے۔

ان کے مطابق زیادہ وزن ہونا صحت کے حوالے سے مشکلات کے ساتھ بہت سی

معاشرتی مشکلات کا بھی حامل تھا۔ اس لیے انہوں نے وزن کم کرنے کی سنجیدہ کوششیں کیں، کیوں کہ وہ تمام عمر اداس، پریشان اور لوگوں کی ہمدردی اور ترس بھری نگاہوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس قدر زیادہ وزن کے ساتھ وہ زیادہ وقت تک زندگی اور صحت کی نعمت سے لطف اندوز نہیں ہو پائیں گے اس لیے انہوں نے وزن کم کرنے کی کوشش کی۔

جب وہ وزن کم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے رہائشی عمارتیں بنانے سے متعلق اپنا کام ترک کر کے زیادہ وزن رکھنے والوں کی مدد کرنے کو زندگی کا مقصد بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ انہیں بتا سکیں کہ اگر آپ اپنی قوت ارادی کو مضبوط کر لیں تو وزن کم کرنا اتنا بھی مشکل کام نہیں ہے۔ انہوں نے مصنوعی نیند کے ذریعے وزن کم کرنے کے طریقے میں مہارت حاصل کی اور ترغیباتی مقرر بن کر زیادہ وزن رکھنے والوں کو کی زندگی بدلنے کا عظیم کام شروع کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ آپ جس تکلیف سے گزر چکے ہوں، دوسروں کو اُسی تکلیف سے نجات کی تحریک دینا اور معاونت کرنا بہت سکون دیتا ہے۔ متوازن وزن نہ صرف آپ کی جسمانی صحت کو ٹھیک رکھتا ہے بلکہ ذہنی کارکردگی کو بھی کئی گنا بہتر کرتا ہے۔ ان کے مطابق بظاہر وزن کم کرنا بہت مشکل دکھائی دیتا ہے، لیکن اگر آپ مستقل مزاجی سے خوراک، ورزش کے حوالے سے احتیاط کریں تو یہ اتنا بھی مشکل نہیں ہے۔

☆☆☆

علی کی عمر چالیس سال تھی جب ان کی چونتیس سالہ اہلیہ جگر کی ایک کمیاب بیماری کا شکار ہو کر جان سے گئیں۔ ان کی شادی کو بارہ سال ہو چکے تھے اور وہ ایک دس سالہ بیٹی کے والدین تھے۔ علی نصف شراکت داری میں ایک کامیاب کاروبار کے مالک تھے۔ زندگی ہر لحاظ سے پرسکون اور آرام دہ تھی کہ اہلیہ کی بے وقت موت نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔

علی کی کاروبار میں دلچسپی ایک دم ختم ہو گئی اور انہیں احساس ہوا کہ وہ کوئی اور ایسا کام کریں جس سے وہ اپنا غم بھلا سکیں۔ انہوں نے اپنے کاروبار میں حصہ بھی اپنے شراکت دار کو فروخت کر دیا اور کچھ نیا اور تعمیری کرنے کی دھن میں لگ گئے۔ ایک دن انہیں خیال آیا کہ ان کی اہلیہ کی حسِ مزاح بہت شاندار تھی اور ساتھ گزارے سالوں میں اپنی اس صلاحیت کی وجہ سے خود بھی بہت خوش رہتی تھیں اور اپنے گھر والوں کو بھی بہت خوش رکھتی تھیں۔

اگرچہ ان کی بیماری والے آخری تین سال انہوں نے بہت تکلیف برداشت کی، لیکن اس کے باوجود ان کی حسِ مزاح ویسی ہی تھی۔ اس سوچ کے ساتھ انہوں نے ”مزاح کے ذریعے طریقہ علاج“ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ اب وہ اس طریقہ علاج کے حوالے سے لیکچرز دیتے ہیں، رضا کارانہ طور پر ناقابلِ علاج بیماریوں کا شکار لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ مزاح کے ذریعے علاج کے طریقہ کار کی افادیت پر انہوں نے اپنی پہلی کتاب تصنیف کی جو بہت مقبول ہوئی اور دنیا کی نو مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اگر آپ اپنی تکلیف کو دوسروں کی تکلیف دور کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں تو آپ کی اپنی تکلیف کہیں بہت پیچھے رہ جاتی ہے۔ دوسروں کو خوش کرنے سے ہی آپ حقیقی خوشی حاصل کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

☆☆☆

بیالیس سالہ فرح اپنے شوہر کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کی وجہ سے علیحدہ ہو کر دو بچیوں کی ذمہ داری اکیلی نبھا رہی تھیں۔ وہ بہت اچھی ملازمت پہ تھیں لیکن ان کا افسر بہت تند خو اور گرم مزاج شخص تھا۔ شوہر سے علیحدگی کے دھچکے، بچیوں کی ذمہ داری، افسر کا نامناسب رویہ ان سب چیزوں نے فرح کی ذہنی اور جذباتی حالت کو صفر کر دیا تھا۔

اپنے تکلیف دہ حالات سے فرار کے لیے انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دیا اور اپنی بچت کے سہارے جنگل میں دریا کنارے ایک جھونپڑا کرائے پر لے کر زندگی کے ہنگاموں سے دور قدرتی نظاروں کے سنگ وقت گزارنے چل پڑیں۔ انہوں نے نو ماہ وہاں گزارے، پہاڑوں پر چڑھائی کا شوق پورا کیا، مچھلیوں کا شکار کیا، کتابیں پڑھیں، مضامین لکھے اور خود کو زندگی کی دوڑ میں تازہ دم ہو کر شامل ہونے کو تیار کیا۔

نو ماہ بعد انہوں نے نئی ملازمت اختیار کی لیکن قدرت کے قریب ہونے اور خود کو تازہ دم کرنے کے لیے ہر ماہ دریا کنارے سفر کا ارادہ کیا، ایسے ہی ایک سفر میں ان کی ملاقات اپنے موجودہ شوہر سے ہوئی جو ہوا بازی سکھانے کے ماہر تھے، انہوں نے ان کے بچپن کا خواب ہوا بازی سیکھنے کا پورا کیا۔

خاوند کی حوصلہ افزائی پر ہی انہوں نے آرائش حسن کی مصنوعات کا اپنا کاروبار شروع کیا جو تین سال کے قلیل عرصہ میں ایک نمایاں پہچان حاصل کرنے کے قابل ہو گیا۔

وہ کہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے ذاتی اور ملازمت کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر دریا کنارے چھٹی منانے نہ جاتیں تو نہ وہ اپنے شوہر سے مل پاتیں، نہ کاروبار شروع کر پاتیں اور نہ ہی اپنا بچپن کا جہاز اڑانے کا خواب پورا کر پاتیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صفر سے دوبارہ آغاز کرنا آسان نہیں ہے لیکن بعض اوقات اپنی ذہنی اور جذباتی حالت کو تباہ ہونے سے بچانے کے لیے ایسے دلیرانہ اقدام ضروری ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

ثنا کو ایک حادثہ میں ریڑھ کی ہڈی میں لگنے والی چوٹوں کی وجہ سے کئی ماہ تک بستر تک محدود ہونا پڑا۔ وہ اپنے تمام کاموں کے لیے اپنے شوہر اور گھر والوں پر انحصار کر رہی تھیں۔ یہ صورت حال عاجز کر دینے والی اور بیزار کن تھی۔ بستر پر لیٹ کر ٹی وی ڈرامے، فلمیں دیکھ دیکھ کر وہ بری طرح تھک گئی تھی۔ اسی بیزاری اور تھکاوٹ نے اسے کپڑوں کی ڈیزائننگ کی طرف متوجہ کیا۔ سارا وقت بستر پر لیٹے رہنے کی وجہ سے

اسے اپنا آرام دہ لباس بھی غیر آرام دہ محسوس ہوتا تھا۔

اس کے خیال میں آرام دہ لباس کا کپڑا اور سلائی کا ڈیزائن ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔

انہوں نے لباس تیار کرنے والے مختلف ماہرین کے ملبوسات دیکھے تاکہ وہ اپنے مطلوبہ آرام دہ ملبوسات حاصل کرسکیں لیکن وہ ناکام رہیں۔ وہ معاشی طور پر قابلِ استطاعت اور آرام کے تقاضوں کو پورا کرنے والا لباس چاہتی تھیں لیکن مارکیٹ میں موجود برانڈز بیک وقت یہ دونوں آسائشیں پوری کرنے سے قاصر تھے۔

انہوں نے اپنے ذہن میں موجود ایک آرام دہ اور جیب پر بھاری نہ پڑنے والے ملبوس کے لیے نظریات جب اہل خانہ اور دوستوں کے سامنے پیش کیے تو سب نے بہت پسند کیے اور انہیں خود ایسے ملبوسات تیار کرنے پر اکسایا۔ اس حوصلہ افزائی کے سبب انہوں نے اپنی پسند کے کپڑے اور قابلِ پہنچ قیمتوں کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کیا۔ وہ کہتی ہیں انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس خوفناک حادثے کے نتیجے میں وہ بستر تک محدود ہوتے ہوئے اپنا ذاتی کام شروع کریں گی اور وہ اتنی مقبولیت حاصل کرے گا۔

یہ سب لوگ مختلف علاقوں، ممالک اور رسم و رواج سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ان سب میں جو چیز مشترک ہے وہ مشکلات اور تکالیف پیش آنے پر ان کا رویہ ہے۔ ان سب نے کسی بھی مشکل کو زندگی کے اختتام کے طور پر نہیں لیا اور ہمت ہار کر مایوس ہو کر بیٹھ نہیں رہے، بلکہ مشکل کو ایک چیلنج سمجھ کر اس سے نکلنے کے راستے تلاش کیے ہیں اور اسی تلاش نے انہیں کامیابی کی روشن منزلوں تک پہنچایا ہے۔

ان حقیقی کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے، اس کی دی ہوئی صلاحیتوں پر اعتماد کرکے قدم اٹھانے والے زندگی کی مشکلات میں ناکام قرار نہیں پاتے۔ ان کا عزم، ہمت اور مستقل مزاجی انہیں کامیاب انسان بناتی ہے، جن سے مایوس اور ناکام لوگوں کو مشکلات پر قابو پانے کی ترغیب ملتی ہے۔ ❁❁❁

مور تو ٹلے رانا

سندھ کے ایک لازوال لوک گیت "مور تو ٹلے رانا" کے اندر ایک لازوال داستان چھپی ہے۔

سن ۱۸۵۰ سندھ کے صحرا تھرپارکر کے ایک گاؤں عمرکوٹ کے حکمران راجپوت رانا رتن سنگھ سوڈھا نے راج برطانیہ کی جانب سے غریب لوگوں پر لگائے گئے ناجائز لگان کے خلاف ایک بے مثل جدوجہد کی جو راج برطانیہ کی نظر میں بغاوت ٹھری۔ وہ تھر کے صحراؤں میں چھپ کر راج برطانیہ کے خلاف اپنی کارروائیاں کرتا رہا مگر آخر کار اسکو پکڑ کر قید کرلیا گیا۔ اگرچہ ملکہ وکٹوریہ نے علاقے کے بااثر لوگوں کی سفارشات پر اس کو معاف کرکے آزاد کردیا مگر رانا رتن اپنے مؤقف پر ڈٹا رہا کہ غریب لوگوں پر سے اس غیر منصفانہ ٹیکس کا خاتمہ کیا جائے ورنہ وہ انگریزوں کے خلاف کارروائیاں کرنے سے باز نہیں رہے گا۔ انگریزوں نے بھی رانا رتن سنگھ کے تیور اور اس کے دور رس اثرات کو سمجھتے ہوئے غریبوں کے عظیم باغی کے انجام کو سندھو کی دھرتی کے تمام لوگوں کے لئے ایک عبرت کی مثال بنانے کا تہیہ کرلیا۔

انہوں نے عمرکوٹ کے مشہور قلعے کے بیچوں بیچ رانا رتن کو پھانسی لگانے کے لئے پھانسی گھاٹ کی تیاری شروع کردی تاکہ تمام لوگ اس کے انجام کو دیکھ کر چپ چاپ ٹیکس دینے کے لئے تیار ہوجائیں۔ جب پھانسی گھاٹ تیار ہوا تو تمام آس پاس کے گاؤں میں اس بات کا اعلان کیا گیا اور رانا کو ان کے سامنے آہستہ آہستہ پھانسی گھاٹ کی اونچی سیڑھیاں چڑھا کر پھانسی کے پھندے کے نیچے کھڑا کیا گیا اور آخری خواہش دریافت کی گئی جس پر رانا نے اپنے بندھے ہاتھوں کو کھولے جانے کا کہا۔ ہاتھوں کے آزاد ہوتے ہی اس نے انتہائی بااعتمادی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی مونچھوں کو تاؤ دے کر ان کی نوکوں کو اوپر کی جانب کیا۔

مونچھوں کو بل یا تاؤ دینا برصغیر کے لوگوں کا ایک ایسا انداز ہے جس سے اظہار کیا جاتا ہے کہ انسان کس قدر دلیر اور بے خوف ہے۔ یہ ایک انتہائی درجہ کی خود اعتمادی اور بہادری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ راجپوت رانا رتن سنگھ سوڈھا کو اس دلیرانہ انداز سے پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالتے دیکھ کر آزادی کا جذبہ غیر مرئی فتح کے احساس کے ساتھ ابھر کر سندھو کی دھرتی کی ہواؤں اور عوام میں میں پھیل گیا۔ اس انداز بے مثل نے ان کی روحوں کو غلامی سے نجات دلادی۔

اس واقعہ پر سندھ کا مشہور لوک گیت "مور تو ٹلے رانا" تخلیق ہوا جس میں اس بے مثل تھرپارکر کے دلیر اور بہادر مور کی موت پر ماتم کرکے دکھ غم کا مرثیہ نہیں کہا گیا بلکہ یہ خوشی کا گیت ہے اور عموماً بچے کی پیدائش کے موقع پر گایا جاتا ہے۔ اس میں آنگن میں کھیلتے ننھے بچے کو برسات میں بھیگتے مور کے رقص سے تشبیہ دی گئی ہے اس گیت کے اہم بول میں "ہزاروں رانا رتن جیسے دلیر اور بہادر بچے سندھو کی دھرتی پر پیدا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے:

"رانا تو مان راج تھیندا، رانا تو مان لکھ تھیندا"

کا مطلب بھی یہی ہے کہ رانا، تمہاری ہی حکومت ہوگی اور تمہارے جیسے ہزاروں ہونگے۔ یہ گیت تھر کے صحرائی ماحول کی خوشیوں کا حسین اور لازوال حصہ بن گیا ہے اور رانا رتن سنگھ سوڈھا کی بہادری اور غریبوں کے حق میں جدوجہد و قربانی کی یاد دلاتا ہے۔ (سندھو کی دھرتی کے ہیروز کو میرا سلیوٹ ہے)

❁❁❁

نامور اردو سندھی شاعرہ ڈاکٹر ثمینہ واحد کی سندھی شاعری کی کتاب

”برندڑ لفظ“ (سُلگتے الفاظ) کی تقریب رونمائی

گزشتہ دنوں نامور اردو سندھی شاعرہ ڈاکٹر ثمینہ واحد کی شاعری کی کتاب ”برندڑ لفظ“ (سُلگتے الفاظ) کی رنگارنگ تقریب رونمائی مارسلز بوٹ بیسن کلفٹن کراچی میں منعقد کی گئی۔ اس تقریب کے خاص مہمانوں میں ملک کی مشہور ڈرامہ نویس اسٹوری رائٹر نورالہدیٰ شاہ، اردو کی نامور شاعرہ ڈاکٹر فاطمہ حسن، علمی ادبی سماجی شخصیت ڈاکٹر وحیدہ مہیسر، سندھی لینگویج اتھارٹی سندھ کے سابق سیکریٹری تاج جویو، سات سندھی کتابوں کے مصنف اقبال بلوچ، سندھی ادبی بورڈ جامشورو کے رسالے سرتیوں کی ایڈیٹر گلبدن جاوید مرزا، سندھی اردو ادب سے وابسطہ حمیدہ گھانگھرو، شہناز راہو، مشہور سیاسی سماجی شخصیت ڈاکٹر دودو مہیری، نامور صحافی دودو چانڈیو، پاکستان پیپلز پارٹی کی ساجدہ میمن، سندھی اردو ادب شاعری سے وابسطہ رحمت پیرزادہ، سندھو ستار پیرزادہ، ریحانہ چنڑ، شازنندوانی، سندھ کے شہر ڈھرکی سے آئے ہوئے نوجوان شاعر جی ایم لارک، سکھر شہر سے آئے ہوئے نوجوان شاعر اسد چاچڑ، اور بڑی تعداد میں دیگر ادبی سماجی سیاسی شخصیات نے شرکت کی۔

اس رنگارنگ تقریب رونمائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، اور تلاوت کلام پاک پڑھنے کی سعادت ڈاکٹر ثمینہ واحد کے شوہر جلال الدین ظفر شیخ نے حاصل کی، کتاب **”برندڑ لفظ“ (سُلگتے الفاظ)** کی رونمائی شرکاء کی بھرپور تالیوں کے گونج میں ہوئی، اس موقع پر کتاب کی تخلیق کارہ ڈاکٹر ثمینہ واحد نے آئے ہوئے سارے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شکرگذار ہیں کہ آج وہ صاحب کتاب ہوئی ہیں، اپنی کتاب کی رونمائی پر وہ بہت خوش ہیں، اس موقع پر نامور اسٹوری رائٹر نورالہدیٰ شاہ نے کہا کہ ہمارے معاشرے میں خصوصی طور پر سندھی سماج میں خاتون رائٹرز کو اپنی تصنیفات کو آگے لانے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اکثر خاتون شاعراؤں کو رومانوی شاعری تحریر کرنے پر معاشرے کے نام نہاد ٹھیکیداروں، دوستوں، اپنے پرائے لوگوں، یہاں تک کہ اپنے گھروالوں کے چبھتے سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس حوالے سے یقیناً ڈاکٹر ثمینہ نے شاعرہ کی حیثیت میں بہت سارے لوگوں کا کہا سُنا بُھگتا ہوگا، یہ ایک لاجواب سندھی تجریدی نظموں کی کتاب قوم کے سامنے لانے میں کامیاب ہوگئی ہیں اور وہ مبارکباد کی مستحق ہیں، اردو ادب کی ممتاز شخصیت ڈاکٹر فاطمہ حسن نے کہا کہ ڈاکٹر ثمینہ واحد کی شاعری اسکے تجریدی اور نثری نظم اس معاشرے کی صحیح معنوں میں عکاسی کرتے ہیں ڈاکٹر ثمینہ اپنے نظموں کے ذریعے اس گندے سماج سے ایک جنگجو طرح لڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ الغرض ڈاکٹر ثمینہ کی کتاب (سُلگتے الفاظ) مذاحمتی ادب کی ایک اچھی کتاب کہی جاسکتی ہے۔ تقریب میں سندھی لینگویج اتھارٹی کے سابق سیکریٹری اور نامور شاعر تاج جویو نے اپنے خطاب میں کہا کہ اس نفسانفسی دور میں ہر کسی کو اپنی پڑی ہوئی ہے لوگ اپنے اخلاقی قدر بھول گئے ہیں ایسی نازک اور گوناگو صورتحال میں مذاحمتی ادب سے لبریز ڈاکٹر ثمینہ کی تجریدی نظموں سے آراستہ یہ کتاب ”برندڑ لفظ“ (سُلگتے الفاظ) کا آنا ایک اچھا شگون ہے، ڈاکٹر ثمینہ ایک وسیع سوچ کی مالکہ ہیں اس کے قلم نے اس معاشرے کی ناہمواری اور عدم مساوات پر تلوار کا سا کام کیا ہے سندھی سماج کی ”کاری کاروولی“ گندی رسم، بھوک افلاس، بدحالی، بیروزگاری گندی اور زر دسیاست کو تنقید کا نشانہ بنا کر اس نے اپنے اس کتاب کی توسط سے نام نہاد سماج کا پول کھول کر رکھ دیا ہے۔ اس موقع پر مشہور علمی، ادبی، سماجی شخصیت کی مالکہ ڈاکٹر وحیدہ مہیسر نے اپنے خوبصورت الفاظوں کے پھول ڈاکٹر ثمینہ واحد پر برساتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر ثمینہ ایک کیمسٹری سائنس جیسے خشک موضوع کی ڈاکٹر ہیں لیکن شاعری کی کتاب جس میں رومانس، پیار، وفا، جفا، آنسو، مُسکراہٹوں والے موضوع کُوٹ کُوٹ کر بھرے ہوتے ہیں کس طرح لانے میں کامیاب ہوئی ہیں یہ بات ان کی سمجھ سے باہر ہیں۔ ڈاکٹر وحیدہ مہیسر نے مزید کہا کہ ڈاکٹر ثمینہ کی طرح ہر خاتون جس کو ذرا برابر بھی ادب سے شاعری سے محبت ہے، لگاؤ ہے انہیں لازمی اپنے شوق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے اور کچھ کر دکھانے کے لیے آگے آنا چاہئے۔ ڈاکٹر وحیدہ مہیسر کی ان باتوں پر شرکاء سے بھرا ہوا پورا پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا۔

ماہوار سندھی رسالے سرتیوں کی ایڈیٹر گلبدن جاوید مرزا نے کہا ڈاکٹر ثمینہ واحد ایک اچھی شاعرہ ہیں، ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی ہیں، اپنی ذات سے ہٹکر دوسروں کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتی ہیں اپنے تو اپنے غیروں کو بھی منٹوں میں اپنا بنا لینا تو انکے بائیں دائیں ہاتھوں کا کام ہوتا ہے، مجھے فخر ہے کہ میں ڈاکٹر ثمینہ واحد کی دوست ہوں۔

اس پُر وقار تقریب رونمائی پر مضمون نگارہ کالم نویس حمیدہ گھانگھرو نے کہا کہ اس پدر زاد معاشرے میں کم عورتوں کو ہی شاعرہ بننے کے مواقع ملتے ہیں اور سندھی شاعرہ بننا اور اسکی شاعری کی کتاب کا شائع ہونا بھی اکثر ناممکنات میں شمار ہوتا ہے اس لیے ڈاکٹر ثمینہ خوش نصیب خاتون ہیں کہ ان کی یہ کتاب Publish ہوئی ہے، لیکن مجھے پتہ ہے ڈاکٹر ثمینہ کن کن مشکلات کے مراحل طے کر کے اس کتاب کو ہمارے ہاتھوں تک لانے میں کامیاب ہوئی ہونگی۔ اس پُر وقار اور شاندار کتاب کی رونمائی پر سندھی اردو ادب سے تعلق رکھنے والی شہناز راہو نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس کتاب کی توسط سے ڈاکٹر ثمینہ ہمیشہ کے لیے زندہ و پائیندہ شخصیت بن گئی ہیں انسان کی زندگی بہت ہی تھوڑی اور مختصر سی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ڈاکٹر ثمینہ واحد کو لمبی عمر عطا فرمائے مگر جب تک کوئی ایک بھی کتابوں سے پیار کرنے والا کتابیں پڑھنے والا دنیا میں موجود ہوگا ڈاکٹر ثمینہ واحد صاحبہ کتاب "برندڑ لفظ" (سُلگتے الفاظ) کی صورت میں ہمیشہ ہمیشہ اپنے پڑھنے والوں کی دلوں میں زندہ رہیں گی۔

اس کتاب کی رونمائی کی حسین تقریب میں شرکت کرنے کے لیے پورے سندھ سے آئے ہوئے خواتین و حضرات ڈاکٹر ثمینہ واحد سے پیار کرنے والے مداحوں نے سندھ کے روایتی اجرک کے تحائف، گلابوں کے گلدستے پھولوں کے ہار انہیں پیش کیئے۔ اس حسین رونمائی کی تقریب کے اسٹیج سیکریٹری کے فرائض سندھی اردو ادب سے تعلق رکھنے والے خلیل چانڈیو نے ادا کیے۔ اس موقع پر ڈاکٹر ثمینہ واحد کے جیون ساتھی جلال الدین ظفر شیخ کی جانب سے معزز مہمانوں کیلئے ریفریشمنٹ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس طرح یہ رنگارنگ کتاب "سُلگتے الفاظ" کی رونمائی کی تقریب شام چار بجے سے شروع ہو کر رات سات بجے تک اپنی تمام تر خوبصورتیاں سمیٹتی اختتام پذیر ہوئی۔

❁❁❁

ٹک ٹاک کی اِس سب سے مقبول صارف سے واقف ہیں؟

ٹک ٹاک دنیا بھر میں نوجوانوں میں مقبول ترین سوشل میڈیا پلیکشن ہے اور اب پہلی بار اس میں ایک صارف نے 10 کروڑ فالورز کا اعزاز اپنے نام کرلیا ہے۔ امریکا سے تعلق رکھنے والی چارلی ڈی امیلو نے یہ اعزاز اپنے نام کیا ہے اور ان کے قریب ترین جو 2 افراد ہیں ان کے محض 5 کروڑ فالورز ہیں۔ 16 سالہ چارلی ٹک ٹاک میں حقیقی معنوں میں راج کر رہی ہیں کیونکہ ان کے فالورز ول اسمتھ سے دوگنا زیادہ، دی راک سے 3 گنا زیادہ، سیلینا گومز سے 4 گنا زیادہ اور کائلی جینر سے 5 گنا زیادہ ہیں۔ چارلی ڈی امیلو نے ریکارڈ مدت میں 10 کروڑ فالورز کا اعزاز حاصل کیا ہے، یوٹیوب میں ایک چینیل کو 10 کروڑ سبسکرائبر کے حصول کے لیے 14 سال لگے تھے۔ اس کے مقابلے میں ٹک ٹاک (موجودہ شکل میں) 2018 میں لوگوں کو دستیاب ہوئی تھی جبکہ چارلی ڈی امیلو نے ٹک ٹاک پوسٹس کا آغاز مئی 2019 میں کیا تھا اور ڈیڑھ سال سے قبل اس اپلیکشن کی مقبول ترین صارف بن چکی ہیں۔ گزشتہ سال نومبر میں چارلی ڈی امیلو کے فالوروز کی تعداد صرف 60 لاکھ تھی اور ایک سال میں انہوں نے بہتت تیزی سے مقبولیت حاصل کی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ چارلی ڈی امیلو نے یہ اعزاز اس وقت حاصل کیا جب وہ ٹک ٹاک کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ رہی ہیں۔ حالیہ مہینوں میں انہوں نے اپنا پوڈ کاسٹ شروع کیا، یوٹیوب میں زیادہ لوگوں تک رسائی حاصل کی، انسٹا گرام پر بھی لاکھوں فالورز حاصل کیے جبکہ ایک کتاب کا معاہدہ کیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ٹک ٹاک میں کریٹیئرز کو زیادہ آمدنی حاصل نہیں ہوتی، ان کے پاس 2 ہی آپشن ہوتے ہیں ایک اشتہارات ریکارڈ کریں یا ایپ کو چھوڑ کر دیگر مواقعوں کو ترجیح دیں۔ چارلی ڈی امیلو کی ٹیم نے بھی بہت تیزی سے کام کیا ہے اور صرف ٹک ٹاکر تک نہیں بلکہ پورے خاندان کے لیے کام کیا ہے۔ چارلی کی بہن کا پہلا سنگل گانا رواں سال جون میں جاری ہوا تھا جس کو اب تک یوٹیوب پر ہی 9 کروڑ سے زائد بار دیکھا جاچکا ہے جبکہ دونوں بہنوں نے اکٹھے پوڈ کاسٹ کا آغاز بھی کیا جبکہ یوٹیوب کے مختلف روایتی فارمیٹس پر بھی تجربات کرتی رہتی ہیں۔ ان کے والدین نے بھی آڈینس کو بنانا شروع کیا اور ان کے اپنے ٹک ٹاک، انسٹاگرام اور ٹوئٹرا کاؤنٹس ہیں، جن میں ڈی امیلو خاندان اکاؤنٹس کو نمایاں کیا گیا ہے۔ فوربس نے اگست میں ایک رپورٹ میں بتایا تھا کہ چارلی نے گزشتہ سال مختلف معاہدوں کے ذریعے 40 لاکھ ڈالرز کمائے تھے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہا ہوگا۔ ❁❁❁

انکل نے یہاں بدتمیزی کی ہے

تحریر آمنہ مفتی

کشمور میں ایک ماں اور ان کی کم سن بچی کے ساتھ جو سانحہ پیش آیا اس کی ویڈیو نے کتنے ہی لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ چار سال کی عمر میں ماں سے ذرا سی دیر دور رہنا ہی شاید سب سے بڑا خوف ہوتا ہے۔ اس سے بڑا خوف بستر کے نیچے چھپا نادیدہ 'بھوو'، چار برس کے بچے کے تخیل کی پرواز اس سے اونچی نہیں ہوتی۔

اتنی عمر کے بچے کے پاس اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے بھی شاید دس بارہ الفاظ ہی ہوتے ہیں۔ وہ ان ہی لفظوں میں ہر جذبہ، ہر احساس اور ہر واقعہ بیان کر دیتے ہیں۔ اکثر بچوں کے والدین یا گھر والوں کے سوا کوئی ان کی بات بھی نہیں سمجھ پاتا۔ اس عمر میں اتنے روز ماں سے دور رہنا اور ایک ایسے جرم کا شکار ہونا جس کو بیان کرنے کے لیے اس بچی کے پاس الفاظ بھی نہیں تھے۔ سچ پوچھیے تو شاید اس ویڈیو کو دیکھنے والا کوئی بھی شخص اب کبھی چین کی نیند نہیں سو سکتا۔

ایسے معصوم بچوں کے بارے میں کسی بھی طرح کا جنسی فعل کوئی کیسے سوچ سکتا ہے؟ سوائے کسی ایسے شخص کے جو جنسی مریض ہو۔ جنسی مریض بچپن ہی سے جنسی کج روی کا شکار ہوتا ہے۔ اس سانحے کا مبینہ ملزم جو پولیس کے مطابق ان کے ساتھ فائرنگ کے تبادلے میں ہلاک ہوا، پختہ عمر کا مرد تھا۔ سوال یہ ہے کہ اتنی عمر تک پہنچنے کے باوجود کسی نے اس کے غلط رویے کی نشاندہی نہیں کی؟ کیا اس کے پاس پڑوس میں رہنے والے کسی نہ کسی طور اس کے تعلق میں آنے والے اس کے مجرمانہ اطوار بھانپ نہ پائے ہوں گے؟

سو بچوں کو قتل کر کے تیزاب میں ڈال کے گلا دینے والا جاوید اقبال بھی ایک پکی عمر کا آدمی تھا، بچوں کی سیکس ویڈیوز، ڈارک ویب پر فروخت کرنے والا بھی ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ معاشرے میں مجرم چھپ کر کیسے رہ لیتے ہیں؟ یہ سوال مجھے اکثر پریشان کرتا ہے۔ اکثر جنسی ہراسانی کے معاملات میں خاصی عمر کے لوگ ملوث ہوتے ہیں۔ اتنی عمر تک آتے آتے کیا ایک شخص بھی ان کی بد عادات سے متاثر نہیں ہوا ہو گا؟

کشمور کا یہ بدکار شخص کیا پہلی بار اس جرم کا مرتکب ہوا ہو گا؟ کیا اس سے پہلے اس نے جن عورتوں یا بچیوں سے زیادتی کی وہ معاملات دبا دیئے گئے؟ یا کبھی اس کے خلاف کوئی شکایت ہی سامنے نہیں آئی؟

بات یہ ہے کہ بطور شہری ہم میں سے کوئی بھی اپنی ذمہ داری لینے پہ تیار نہیں۔ ہمارے چاروں طرف، سکول کالج میں، محلے بازاروں میں، گھروں خاندانوں میں، ہر طرف، ہر جگہ، مجرمانہ رویوں کے لوگ گھوم رہے ہیں۔

ہم نے من حیث القوم ایک رویہ اپنا لیا ہے کہ موذی سے راستہ بدل کے چل دیں، کسی نے کوئی جملہ کسا، خواہ ہم پہ یا کسی اور پہ، ہم آنکھوں پہ کھوپے چڑھائے، کانوں میں سیسہ ٹپکائے، سر جھکائے گزر جاتے ہیں۔

'بازار کی گالی ہنس کے ٹالی' یہ محاورہ اپنی مرضی کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور کبھی یہ نہیں سوچتے کہ جس طرح کسی کا چھینکنا یا ناک بہنا، نزلہ زکام کی علامت ہے، ویسا ہی سر بازار جملے اُچھالنا، آتی جاتی عورت کو چٹکی بھرنا، دوپٹہ کھینچنا یا اپنے ہی جسم کو کھجانا، بیمار جنسی رویے کی علامت ہے۔

ایسے لوگ ہمیں روز ہی نظر آتے ہیں۔ ان سب کو ذہنی علاج کی ضرورت ہے۔ بظاہر یہ ایک مضحکہ خیز بات لگتی ہے لیکن ریپ کے ان واقعات کا سلسلہ تب ہی رُکے گا جب اکثریت کے جنسی رویے درست کیے جائیں گے۔

اس کام کے لیے وسیع پیمانے پہ تحقیق کرنے اور مختلف طریقوں سے معاشرے میں موجود جنسی بیمار رویوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

ریپ کرنے والے ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ قاتل، چور، ڈاکو، نوسر باز بھی ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں لیکن جب کسی ایک جرم کا تناسب بڑھنے لگے تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ معاشرہ کسی خرابی کا شکار ہے۔

ہمارا معاشرہ جنسی گھٹن کا شکار ہے۔ بڑے مرد، چھوٹے لڑکوں، بچوں، بچیوں، عورتوں، حد یہ کہ جانوروں تک کو بدکاری کا نشانہ بناتے ہیں۔ ریپ کرنے والے کے پیش نظر شاید لذت کے حصول سے زیادہ اپنی برتری جتانے کا جذبہ ہوتا ہے۔

ایک سانحے سے دوسرے حادثے اور پھر تیسرے حادثے تک یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ ریپ کے لیے سخت سے سخت قانون موجود ہونے، مجرم کو پھانسی دینے، یا کسی اور طرح جان سے مار دینے سے بھی یہ بیماری ختم نہیں ہو رہی۔ بلکہ یہ واقعات روز افزوں ہیں۔ ہمارے معاشرے میں عورت کی بہت عزت تھی۔ کسی جھگڑے میں کوئی عورت آجاتی تھی تو وہ جھگڑا ختم کر دیا جاتا تھا، عورت کی موجودگی میں لوگ نظر جھکا کے چلتے تھے، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ یہ اچھی روایات معدوم ہوتے ہوتے ختم ہو گئیں۔ آج اگر اس گلتے سڑتے معاشرے میں موجود بدصورت رویوں کو درست نہ کیا گیا، عورتوں اور بچوں کے خلاف نفرت اور ان پہ برتری جتانے کا رویہ نہ مٹایا گیا تو یہ جرائم یوں ہی بڑھتے جائیں گے۔

آج جن لوگوں نے اس ظلم کی ویڈیو دیکھی وہ تو واقعی کبھی سکون سے نہ سو پائیں گے لیکن کیا اختیار ہوتے ہوئے بھی ان معاملات کو نہ سدھارنے والے بھی کبھی سکون سے سو پائیں گے؟

❁❁❁

خصوصی بچے اور تلخ معاشرتی رویے

تحریر عالیہ نذر

میں نے 1990 سے لے کر اب تک اسپیشل بچوں (مینٹلی چیلنجڈ) کے ساتھ کام کیا ہے۔ اس طرح مجھے ان بچوں اور ان کے والدین سے جڑی بہت سی تلخ حقیقتوں کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا جس کا اندازہ شاید دور رہ کر کبھی نہ ہوتا۔

جب والدین کو پتہ چلتا ہے کہ ان کا بچہ نارمل بچوں سے مختلف ہے تو یہ ان کے لئے ایک ناقابل یقین حقیقت ہوتی ہے۔ جس کو تسلیم کرنے میں ان کو عرصہ درکار ہوتا ہے۔ پھر خاندان اور اردگرد بسنے والے لوگوں کے بے حس رویے ان کے لیے اور اذیت کا باعث بنتے ہیں۔

شروع میں تو لوگوں میں اتنا شعور نہیں تھا اور اتنی آگاہی بھی نہیں تھی کہ ایسے بچوں کو ڈاکٹر کے پاس لے کے جانا چاہئے کیونکہ بڑے شہروں میں تو پھر بھی اسپیشل بچوں کے سینٹرز تھے اور کچھ پرائیویٹ ادارے بھی کام کر رہے تھے۔ لیکن چھوٹے شہروں میں یہ سہولت مفقود تھی۔ اسی لیے زیادہ تر لوگ تعویذ اور دم وغیرہ کا سہارا لیتے کہ یہ بچے سائیں لوگ ہیں اور اسی پہ صبر شکر کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بے شمار لوگ اب بھی اسی طرح کرتے ہیں۔

جب والدین بچے کو لے کر سینٹر آتے تو ان کے چہروں پہ دکھ اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت ہوتی۔ سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہمارا بچہ ٹھیک ہو جائے گا؟ کیا یہ دوسرے بچوں کی طرح پڑھ سکے گا؟ ان والدین کو یہ باور کرانا کہ آپ کا بچہ ذہنی طور پہ تھوڑا پیچھے ہے وہ بہتر ہو جائے گا لیکن ٹائم لگے گا۔ بہت مشکل مرحلہ ہوتا۔ زیادہ بچے غریب گھروں سے آتے۔ جہاں دو وقت کی روٹی کے لئے سو سو پاپڑ بیلنے پڑے وہاں ان بچوں کی دیکھ بھال کیسے ممکن ہے۔

جب یہ بچے سینٹرز سے گھر جاتے ہیں تو زیادہ وقت گھر سے باہر ہی گزارتے ہیں۔ جہاں محلے کے اوباش نوجوان ان کی معصومیت کا غلط استعمال کرتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کے والدین کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔

ہمارے پاس ایک بچہ آتا تھا اس کی عمر بارہ سال تھی وہ کافی سمجھدار تھا۔ ہر کام میں دلچسپی لیتا ہر بات بہت دھیان سے سنتا اور اس پہ عمل کرتا کچھ دنوں سے وہ چپ چپ رہنے لگا تھا اور کسی ایکٹیویٹی میں حصہ نہیں لیتا تھا۔ خیر اس کی والدہ کو بلایا اور پوچھا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے۔ وہ زاروقطار رونے لگی اور جو اس نے بتایا وہ رونگٹے کھڑے کرنے کے لیے کافی تھا۔ کہنے لگی گلی کے لڑکے اس کو باہر بلا لیتے ہیں اس کو پیسے کا لالچ دیتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی شلوار اتارو پھر خوب اس کا مذاق اڑاتے ہیں جب وہ رونا شروع کر دیتا ہے تو اس کی شلوار میں مٹی بھر دیتے ہیں اور کہتے اب اس کو پکڑو اور گھر چلے جاؤ۔

کہنے لگی میں بیوہ عورت ہوں یہ بڑا بچہ ہے تین بچے اس سے چھوٹے ہیں۔ کیا کروں محلے میں کوئی میری سنتا نہیں۔ سوچیں اس ماں کے دل پر کیا گزرتی ہو گی جب وہ اپنے بچے کو اس حال میں دیکھتی ہو گی۔ ایسے بے شمار واقعات آئے دن مختلف بچوں کے ساتھ ہوتے۔ ایک بچہ دن بدن کمزور ہوتا جا رہا تھا کوئی اس کے نزدیک جاتا یا ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا تو وہ خوفزدہ ہو جاتا تھر تھر کانپنے لگتا جب اس کے گھر والوں سے بات کی تو پہلے تو وہ صاف مکر گئے کہ پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔

لیکن پھر ہمارے اصرار کرنے پر والدہ نے بتایا کہ اس کو کوئی جنسی ہراساں کرتا ہے ہمیں یہ نہیں پتہ وہ کون ہے۔ وہ یقیناً گلی محلے کے کوئی غنڈے ہوں گے یا کوئی رشتے دار جس کا نام لینے سے وہ ہچکچا رہی تھی۔ ایسے ہی کسی بچے کو کہا جاتا کہ فلاں کو گالی دو یا سگریٹ پیو تو پیسے دیں گے غرض کہ ایک ختم نہ ہونے والا عذاب جو ان والدین کو ہر روز سہنا پڑتا ہے۔ ہر وقت گھروں میں بٹھا نہیں سکتے اور باہر یہ جاہل بے حس احساسات سے عاری لوگ ان کو جینے نہیں دیتے۔

پتہ نہیں لوگ کیوں بُھول جاتے ہیں کہ یہ معصوم اسی خدائے بزرگ و برتر کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہے وہ جو خالقِ کائنات ہے۔ اس کی مخلوق کا مذاق اُڑا کر اس کو دُکھ دے کر جو عارضی خوشی تم منا رہے ہو اس کا حساب تو دینا ہو گا اور لازمی دینا ہو گا۔ کیونکہ وہ خود فرماتا ہے کہ حقوق اللہ تو معاف ہو سکتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہو سکتے۔

شاید انہی رویوں کی وجہ سے متمول گھرانے اپنے خصوصی بچوں کو گھروں میں ہی رکھتے ہیں۔ وہ گھروں میں ان کے لئے ماہر نفسیات تھراپسٹ کی خدمت سے استفادہ کرتے ہیں۔ آن لائن بیرون ملک میں مقیم بہترین تھراپسٹ سے رجوع کرتے ہیں۔ لیکن بچوں کو گھر آئے ہوئے مہمانوں تک سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ سے بچوں میں احساس کمتری چڑچڑا پن اور شدید جارحانہ اور تباہ کن رویے جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ جب تک وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ نہیں ملیں گے ان میں خود اعتمادی پیدا نہیں ہو گی۔ اور ان کے معاشرتی رویوں میں مثبت تبدیلی نہیں آ سکتی۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ گھر اور بچے کے اردگرد کے ماحول کو بہتر سے بہتر بنایا جائے۔ تاکہ یہ بچے اس معاشرے میں اپنا فعال کردار ادا کرسکیں۔

❁❁❁

مجھے تم سے محبت ہے

تحریر رمشا تبسم

میں ہاتھ میں یاد کی سوئیاں لگا کر گھڑی سے جوڑ بیٹھی ہوں۔ میرے وجود کا اک اک خون کا قطرہ اس ماضی کی گھڑی میں منتقل ہو کر اس میں رُکا ہوا وقت پھر سے چلا دے گا۔ نہ یہ کبھی وقت میرا تھا نہ ہی تم۔ میرا دکھ یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے وقت بھی نکل گیا اور وقت سے پہلے میری زندگی سے تم نکل گئے۔ اب اس گھڑی کو اپنا خون پلا کر اس طرح سینچوں گی کہ میرے خون سے سیراب ہو کر میرا گزرا ہوا وقت لمحے بھر کو گھڑی میں سے گزر جائے گا۔ اور میں فوراً اسے روک لوں گی۔ وہ وقت کہ جب تُم صرف میرے سائے میں زندگی محسوس کرتے تھے۔ اب اِس وقت میں اپنی اداسی کی اذیت کا خون بھر کر وہ ایک ایک لمحہ واپس لاؤں گی کہ جس لمحے تمہیں مجھ سے محبت تھی۔ جس لمحے تمہیں اظہار کے بدلے اظہار کی چاہت تھی اور جس لمحے میں اظہار سن کر گم سم ہو کر اظہار کرنے کی بجائے چاہت بھری نظروں سے تمہیں دیکھتی رہتی تھی، جن میں پانی کچھ اس طرح سے لرزتا تھا کہ کہیں طوفان آنے کو ہے۔ تمہارے ہر اظہار کا لمحہ واپس لا کر اسکا جواب دوں گی کہ شاید یہ اظہار کسی دن فضاؤں کے سنگ جھومتے ہوئے تم تک پہنچ کر تمہیں چھو کر میرا احساس دلا دے۔ تمہیں یاد ہے وہ تمہارا پہلا اظہار سردیوں کی شام میں جب دھوپ زمین سے ختم ہوتی ہوئی دیواروں اور آسمانوں کی طرف سفر شروع کر رہی تھی۔ تم نے کس طرح بے قرار ہو کر محبت کی شدت اور الفاظوں کی بیجا ترتیب مگر جذبات کا خوب اظہار کیا تھا تم کسی کشمکش میں تھے اظہار میں تھوڑا سا غرور اور بہت سی تمہاری ذات کی خواہش شامل تھی۔ اور تم نے کہا تھا۔

”میں بہت تحمل سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے تمہارے ساتھ ہنسنے رونے، تمہیں سمیٹنے کی اور تمہارے پاس آ کر بکھرنے کی خواہش ہے کہ میں تمہارے دامن میں بکھر جاؤں اور تم پوری زندگی مجھے ذرا ذرا سا سمیٹتی جاؤ۔۔ اور میں بس یہی کہنا چاہتا ہوں اور کچھ بھی نہیں۔ اسے پیار سمجھو، محبت سمجھو، بیوقوفی سمجھو یا کچھ بھی۔ یہ میں دماغ سے بھی کہہ رہا ہوں، دل سے بھی، اور غیر جذباتی ہو کر بھی کہہ رہا ہوں۔ ہاں مگر میں کہہ رہا ہوں۔۔ کیونکہ کہے بنا اب میری ذات محبت کی تپش میں سلگتی جا رہی ہے۔ مجھے اظہار کر کے، اظہار سن کر، اس تپش سے نجات چاہیئے۔

تم جانتی ہو مجھے زیادہ دعویٰ یا باتیں کرنا نہیں آتی۔ میرے چار لفظوں کو تم چار ہزار تک پھیلا سکتی ہوں۔ تم مجھے عزیز ہو گئی ہو، ایک عجیب انداز میں۔ مجھے تمہاری شرارتیں بہت پسند ہیں۔ کبھی کبھی جب تلخیِ حالات سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے نا تب بھی تمہاری موجودگی، تمہاری باتوں سے میرے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ میں تمہاری شرارتیں تمہارے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ تمہیں اپنے سامنے بٹھا کر، تم کو ستا کر تمہارے چہرے پر بدلتے رنگ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارا جھوٹ موٹ کا غصہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارا دل جو ہمیشہ وسوسوں اور خدشوں سے بے چین ہو کر ڈوبتا رہتا ہے نا اس کو بس اپنی محبت کی گرفت میں لے کر اپنے لیے دھڑکتا محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ ہاں میں تمہارے دل کو صرف خود کے لئے دھڑکنا سکھانا چاہتا ہوں۔ تمہارے ہر وسوسے کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ اور تمہاری زندگی میں خود کلامی کی اذیت لکھنے کی کبھی نوبت نہ آئے، اس لیے میں تمہارے ہر لفظ کو محبت کی خوشبو میں ابھی سے بدل دینا چاہتا ہوں کہ میری محبت کی یہی خوشبو تمہاری اور تمہارے لفظوں کی پہچان بن جائے گی۔ میری جان! میں تمہارے وجود کو اپنی محبت کے آمیزے میں گوندھ کر تمہیں محبت کی مورت بناتا چاہتا ہوں کہ تمہیں چھو کر ہوا گزرے تو ہر طرف گل و گلزار بن کر تمہارا لمس مہکنے لگے۔ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر سردیوں کی شاموں میں خشک پتوں پر گھومنا چاہتا ہوں۔ کبھی بھیگی گھاس پر ننگے پاؤں تمہارے ساتھ ٹہلنا چاہتا ہوں۔ کسی شبنم کے قطرے پر سورج کی پہلی کرن پڑنے سے پہلے ہی ہتھیلی میں رکھ کر تمہارے لبوں سے لگانا چاہتا ہوں۔ بہار کا پہلا گُل تمہارے بالوں میں سجا کر تمہیں گُل سے حسین کہنا چاہتا ہوں۔ ساون کی پہلی بارش، کوئل کی پہلی کوک، ہر صبح کی پہلی کرن، چودھویں کے چاند کی چاندنی کی ٹھنڈک سمیت ہر خوبصورت احساس تمہارے سنگ جینا چاہتا ہوں۔

میں چاہتا ہوں کہ میرے ہونے سے تیری آنکھوں سے گرنے والے موتی قید ہو جائیں۔ آنسو اپنا رستہ بھول جائیں۔ میں تم کو، صرف تُم رکھنا چاہتا ہوں۔ یوں ہی بونگی، چلبلی، بیوقوف، بہت زیادہ بولنے والی، لیکن میں تم کو دنیا کے لیے قابل قبول بنانا چاہتا ہوں۔ میں دنیا کے سامنے تمہاری ہنسی کو قابو کر کے مسکراہٹ میں بدل کر اکیلے میں تمہارے ساتھ مل کر قہقہے لگانا چاہتا ہوں۔

میں تمہارے گالوں پر میرے کیے گئے محبت کے ہر اظہار سے بدلتے رنگ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کو محبت کے تمام رنگ دکھاؤں۔ میں تم کو ٹھہرانا چاہتا ہوں۔ تمہارے غصے کو اپنے اطمینان سے ہرانا چاہتا ہوں۔ اپنی ذات کی ساری محبت تم پر لٹا دینا چاہتا ہوں۔ لیکن ہمیشہ تمہارے سامنے خود ہارنا چاہتا ہوں۔ میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں تم کو جیتنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ ہاں تم مل جاؤ یہ میرے وجود کی خواہش ضرور ہے۔ وجود کہ جس کو میں نے عقل کے دربان کے ہاتھوں قیدی بنایا ہوا ہے۔ محبت کیا ہے مجھے پتہ نہیں ہے لیکن تم محبت ہو تم محبت ہو اور بس تم ہی محبت ہو۔

اُس وقت اس لمحے الفاظوں کا یہ خوبصورت سحر انگیز جال میرے وجود سے کچھ طرح لپٹا کہ میں بولنے کی سکت رکھتے ہوئے بھی کچھ کہہ نہ سکی۔ میں کیسے اتنے حسین الفاظوں کے اثر کو اپنی آواز سے زائل کرتی۔ میرے لرزتے ہونٹ خاموش تھے مگر میری آنکھوں میں لرزتے پانی کی بوندیں گال سے ہوتے ہوئے تمہارے ہاتھوں پر

تھیں، جنہیں میں نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ کاش اس وقت یہ بوندیں ہی تمہیں میرے اقرار کا بتا دیتیں۔ کاش یہ بوندوں کی تپش تمہیں میری محبت کی شدت کا احساس دلا دیتیں۔ کاش میری خاموشی سے بےزاری محسوس نہ کرتے اور سمجھ جاتے کہ تمہارے اظہار کے آگے احتراماً اپنی ذات کو خاموش کیے بیٹھی ہوں۔

مگر اے جانِ جاں۔ آج سنو! میں اپنی حسرتوں سے تمہارے قدموں کو دھو کر میری محبت کا تاج پہنانا چاہتی تھی، اور اپنی نگاہوں سے تمہارے گرد حصار باندھ لینا چاہتی تھی۔ حتّٰی کہ اپنے الفاظوں کا سرمایہ تمہارے نام کر کے خود کو بےجان کر دینا چاہتی تھی کہ یہی الفاظ ہی تو میرے جسم میں جان ڈالتے ہیں۔ میں تمہیں کبھی یقین نہیں دلا سکی۔ مگر ہاں مجھے یقین ہے میرے شعور کی ہر حد سے پار اور لاشعور کی ہر منزل سے دور کہیں نہ کہیں تُم مجھ سے میری خاموشی پر بہت خفا ہو۔ میں اب اگر یقین دلانے کی سعی کر لوں تو بھی تمہاری سوچوں تک رسائی ممکن نہیں۔ میرا وجود میری ذات میری سوچ میری فکر میرا سب کچھ آج بھی کسی بچے کی مانند کم عمر، پاک اور معصوم ہی ہے اور اس وجود میں شامل صرف اور صرف تم ہی ہو۔

میری جان! مجھے آج بھی محبت کا دعویٰ نہیں ہے کہ دعوے اکثر کھوکھلے لوگ کرتے ہیں۔ میں دنیا سے لڑ کر بغاوت کر کے تمہیں حاصل کرنے کی تمنا بھی نہیں رکھتی کہ بغاوت کرنے والے محبت کا سبق جانتے ہی نہیں۔ مجھے محبت کا انتہائی شدت سے اقرار بھی نہیں کہ اقرار اکثر بےقرار رکھتے ہیں اور تم میری بےقراری نہیں بلکہ میرا سکون ہو۔ میں زمانے میں تم کو اپنا بنا کر نہیں بلکہ تمہاری بن کر جینے کی خواہش آج بھی رکھتی ہوں۔ مجھے تمہیں اپنے رنگ میں رنگنے کی خواہش نہیں بلکہ میں دنیا کے تمام رنگ تیاگ کر صرف اور صرف اس ایک رنگ میں رنگی جانا چاہتی ہوں۔ جو تمہارا رنگ ہے خواہ وہ گلاب سا سرخ ہو یا چاندنی سا روشن یا پھر کسی بہتے پانی سا شفاف حتّٰی کہ کسی سیاہ رات سا سیاہ ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی اس رنگ کو اوڑھ کر تم سا بننا چاہتی ہوں۔

مجھے محبت کی زیادہ طلب نہیں، ہاں تھوڑی سی محبت، تمہاری تھوڑی سی ہنسی، تھوڑی سی تمہاری شرارت اور تھوڑی سی ہی تمہاری پیار کی نظر میرے تھوڑے سے وجود کو سراپاء محبت بنا سکتی ہے۔

اے میری جان! میں زمانے میں کوئی دنیاوی اونچا مقام نہیں بلکہ تمہاری نظر میں ہلکی سی عزت احترام اور محبت دیکھ کر خود کو زمانے سے معتبر سمجھنے کی خواہش مند آج بھی ہوں۔ مجھے دنیا کے ساتھ قہقہے نہیں لگانے تھے، بلکہ تمہارے ساتھ ہلکی سی ہنسی چاہئے۔ مجھے زمانے کی تیزی کے ساتھ رفتار تیز کرنے کی خواہش نہیں بلکہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ ننگے پاؤں چلنے کی حسرت ہے۔

میری جان! میں تم سے ملنے کی خواہش رکھتی تھی مگر قدرت کا فیصلہ اگر اسکے برعکس آ جاتا تو میری دعا تھی کہ میرے دل کی دھڑکن تمہارے دل میں شامل ہو جاتی۔ میری آنکھوں کا نور تمہاری آنکھوں میں اتر جاتا۔ میرے لبوں کی ہنسی تمہارے ہونٹوں پر سج جاتی اور کچھ اس طرح سے میں تم میں گھل مل جاتی کہ کوئی تمہیں دیکھنا چاہتا تو "میں" نظر آ جاتی اور کوئی مجھے دیکھنا چاہتا تو "تم نظر آ جاتے۔ اور کوئی محبت دیکھنا چاہتا تو "ہم" نظر آ جاتے۔ اور آج بھی میں بس اتنی سی خواہش رکھتی ہوں۔

سنو! یہ قدرت کے فیصلے کچھ بھی ہو سکتے تھے۔ مگر تمہارا فیصلہ مجھے ناگوار گزرا۔ تمہاری بدگمانی میرے وجود کو ریزہ ریزہ کر گئی۔ میں تو کسی فیصلے کی گھڑی آنے سے پہلے تمہارے ساتھ میسر گھڑیوں کو سوچ کے طوفانوں میں ڈبو کر برباد کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بلکہ میری زندگی میں جتنے تم میسر تھے میں اس کو جینا چاہتی تھی۔ میں تمہیں "تم" میں جینا چاہتی تھی۔ میں تمہیں "خود" میں جینا چاہتی تھی۔ اور ہاں! میں خود کو بھی "تم" میں جینا چاہتی تھی اور آج بھی اتنی سی ہی خواہش لئے بیٹھی ہوں۔

قدرت جو فیصلہ کرتی وہ بہت بعد کی بات تھا مگر جانِ جاں میں تمہارے ساتھ میسر لمحات کو کسی غیریقینی سوچ اور کیفیت کی نظر نہیں کرنا چاہتی تھی اور تم نے اس کے برعکس ہر فیصلہ اکیلے کیا۔ اور ہجر و وصال کے دونوں موسموں میں تم نے ہمارے لئے ہجر کے موسم کو چُن لیا۔ مگر میں ہجر کے موسم میں یاد کے درخت پر اُگے اذیت کے پھل کو اکٹھا کر کے اب تھک سی گئی ہوں۔۔

میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں وہ جو کبھی میں کہہ نہ سکی اور وہ جو نہ سننے کا تمہیں ہمیشہ ملال رہا۔۔ میرا اظہار نہ کرنا تمہاری محبت کو رفتہ رفتہ خاموش کرتا گیا۔

مگر سنو! میں اب بھی لمحہ لمحہ تمہارے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔ میں تمہاری سانسوں کے ساتھ سانس لینا چاہتی ہوں۔ اپنی دھڑکن کو تم سے جوڑنا چاہتی ہوں۔ میں تمہارا خیال رکھ کر خود کا خیال رکھنا چاہتی ہوں۔ میں تم سے بات کر کے خود سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں سن کر خود کو سننا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں دیکھ کر خود کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہارے ساتھ یہ لمحات، تمہاری موجودگی اور یہ میری موجودگی تمہاری زندگی میں یہ سب کچھ کسی مستقبل کی پریشانی کی نذر نہیں کرنا چاہتی۔ میں آج میں جینا چاہتی ہوں۔ اس آج میں جہاں تم لوٹ آؤ۔ جہاں پھر سے "تُم" جہاں پھر سے "میں" ہوں اور جہاں پھر سے "ہم" ہوں۔ اور جہاں میں تم سے آج کہہ ڈالوں "مجھے تم سے محبت" ہے اور جہاں تم پھر سے کہتے رہو "میری زندگی میں زندگی صرف تمہاری وجہ سے ہے"۔

میری جان! ہاں میں ہجر کی اذیت اور کرب نہیں بلکہ تمہیں لمحہ لمحہ جینا چاہتی ہوں۔ پل پل سننا چاہتی ہوں۔ گھڑی گھڑی محبت کا اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ اور ہر پل محبت کا اظہار تمہارے ہونٹوں سے سننا چاہتی ہوں۔ میں خود کلامی کی اذیت کا ہر لفظ محبت کی خوشبو سے معطر کرنا چاہتی ہوں۔۔ کہ یہ لمحات میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔ اور یہی لمحات مستقبل میں کبھی ساتھ بیٹھ کر بڑھاپے میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کھلے آسمان کے نیچے ایک ہی کپ میں چائے پیتے ہوئے ہمیں خوشی مہیا کریں گے۔ اور میں تب بھی تم سے کہنا چاہتی ہوں اور آج بھی تم سے کہتی ہوں۔

سنو! "مجھے تم سے محبت ہے"

❀❀❀

سودائیوں کی منڈی

تحریر مبشرہ ناز

پھیکا جب بھی آتا آنکھوں کی جھولی اشکوں سے بھری ہوتی۔ میں اس من چلے کے اشکوں کا خریدار تھا۔ کسی منگتے کی طرح اس کے آگے ہاتھ پھیلاتا، اُس کے اشکوں سے اپنے عملوں کی بُھگی جُھگی سجاتا۔ اُس کے اشک دیئے کی طرح جلتے اور میرے عملوں کی بُھگی جُھگی لو دینے لگتی۔

بہت دیری کی اس بار... کہاں تھے پھیکے یار...؟

آنکھیں کب کی دروازے سے لگی ہیں... انہیں اتنا انتظار مت کروایا کرو یہ سوکھنے لگتی ہیں۔ ان کی خُشک سالی بڑھ گئی تو قیامت ہو گی...!

پھیکے نے میری بات سُنی، اشکوں بھری آنکھوں کی جھولی سے مسکراہٹ نے جھانکا فرمانبرداری نچھاور ہونے کو تھی۔ صاحب جی آپ کے پاس نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا۔ آپ ہی تو سب سے پہلے خریدار ہیں میرے دکھوں کے۔ عجیب ہیں آپ بھی آپ کے ہاں سب ہاتھوں ہاتھ بکتا ہے پھیکے سمیت۔

وہ جانتا ہی نہیں تھا خریدار تو وہ تھا۔ اس کی اس ادا نے وفا نے محبت نے مجھے پھر خرید لیا... مجھے خرید کر اس نے مجھے بکنا سکھایا تھا لُٹنا سکھایا تھا اللہ کی راہ میں اور میں یہاں اس بازار میں بار بار بکنا چاہتا تھا۔ یہ کاروبار گھاٹے کا نہیں تھا

یہاں اک کے بدلے ہزار ملتے تھے بار بار ملتے تھے... !

سودائیوں کی عجب منڈی تھی یہاں سب دُکھوں کے خریدار تھے

سُکھوں کے دام کم اور مال بھی خالص، قیمت لگانے کا ہنر آنا چاہیئے۔

" صاحب جی کہاں گواچ گئے ہیں جی "...؟

پھیکے کے بلانے پر میں چونکا کہو آج کیا لائے ہو۔ اُس کی آنکھوں کی جھولی اشکوں کا بھار سہہ نہ سکی، رسنے لگی۔

صاحب جی وہ تندور والی ماسی کے بیٹے نے پار کے گاؤں کی بچی کے ساتھ زیادتی کی اس کے ماں باپ آئے تھے جی میرے پاس، روتے دھوتے فریاد لے کر۔

اس کا باپ بھائی شریف کہتا ہے میں اُس دن کے بعد شرم سے اپنی دھی کے سامنے ہی نہیں جا سکا پھیکے پُتر... ! میرے ورگا میرا ہم جنس بڈھی ماں کا سہارا پل میں جانے کیسے بھیڑیا بن گیا۔

پھیکے یار کئی دن سے مُنڈیر پر کاں بول رہا تھا میں سمجھا پرونے آنے والے ہیں۔ میری گھر والی نے کہا کاکی کے ابا یہ کرماں مارا روز ہماری مُنڈیر پر بیٹھ کر بین کیوں کرنے لگتا ہے۔ یہ کیسا پرونا آیا تھا جو سب لوٹ کر لے گیا... مجھے کاگے کے بین سنائی ہی نہیں دیئے پھیکے وہ بہت تڑپ رہا تھا رو رہا تھا...!

اگلے دن میں ان کے گھر گیا تھا صاحب جی بچی سے ملنے ساری گل بات پوچھنے... صاحب جی گھر کے دروازے نے کسی ظالم کے دہلیز پار کرنے کی شکایت کی۔ کیاری میں لگے موتیئے کی خوشبو کافور میں بدلی تھی۔ ویہڑے میں لگے برگد کی شاخیں باپ کے کندھوں کی مانند جھکی تھیں۔ نعمت خانے میں رکھا دودھ اس رات آپو آپ پھٹ گیا کاکی کی قسمت کی طرح۔ ہورتے ہور کاکی کا بولنے والا طوطا اس دن کے بعد بولا ہی نہیں صاحب جی...!

بچی کی حالت ٹھیک نہیں ہے صاحب جی خوف سے راتوں کو تڑپ کر اُٹھ جاتی ہے... پھیکا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا... آنکھیں تھیں یا کھوان کا پانی مکتا ہی نہیں تھا...! آپ کو لینے آیا ہوں میرے ساتھ ماسی رحمتے کے طرف چلیں صاحب جی... میں اُسی وقت پھیکے کو ساتھ لے کر تندور والی ماسی رحمت کے پاس گیا۔ میں پھر بے خبر رہا" میں صاحب جی" دل ہی دل میں بے حد شرمندہ تھا۔

اماں رحمتے تیرا پُتر زحمت کیسے بن گیا تیرے پُتر نے جیتے جی بوڑھے باپ کو مار ڈالا...! قدموں کی ناسمجھی پر عقل ماتم کرتی ہے۔ لڑکیوں کے پر کاٹ دیتی ہو اماں۔ لڑکوں کے پاؤں کیوں نہیں کاٹ سکتیں تم۔ دو چار لولے لنگڑے بھی نظر آنے لگے تو غلط راستوں کی طرف اُٹھنے سے پہلے "قدم" سو دفعہ سوچا کریں گے میں نے سخت لہجے میں کہا...

اماں رحمتے رحم کرو ورنہ سخت سزا دوں گا یہ کہہ کر میں اور پھیکا چلے آئے...!

تیسرے دن اماں رحمتے ساتھ والے گاؤں برات لے گئی سارا پنڈ ساتھ تھا۔ دولہا کے دونوں پیروں پر پٹیاں بندھیں تھیں اماں رحمتے نے تندور میں جلتی لکڑی سے پُتر کے دونوں پیر سیکے تھے۔

پھیکا خوش تھا آنکھوں کی جھولی آج بھی بھری تھی مگر خوشی کے اشکوں سے۔

کچھ دن بعد پھیکے نے اماں رحمتے کے پُتر کو لنگر خانے میں کام پر رکھ لیا۔ کچھ عرصے کے بعد اُس کے پاؤں ٹھیک تو ہو گئے مگر ابھی بھی لنگڑاہٹ باقی ہے۔ دنیا کی سب سے خوبصورت لنگڑاہٹ جس نے سمت سیدھی کر دی تھی۔!

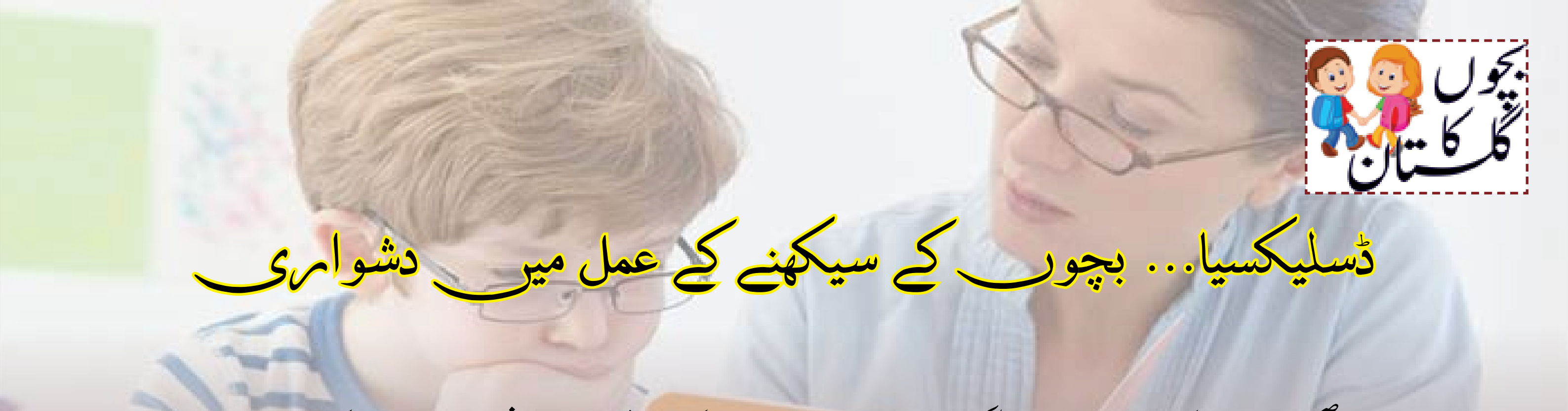

ڈسلیکسیا... بچوں کے سیکھنے کے عمل میں دشواری

بچوں کی اکثریت صحیح عمر میں پڑھنا لکھنا شروع کر دیتی ہے لیکن کچھ بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو پڑھنے لکھنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں والدین سیکھنے کے لیے ان پر دباؤ ڈالتے ہیں اور انھیں دوسرے بچوں کی مثالیں دیتے ہیں۔

بچے کے سیکھنے سمجھنے میں دشواری کی کئی وجوہات میں سے ایک وجہ ڈسلیکسیا (Dys-lexia) بھی ہوسکتی ہے۔ اگر آپ کے بچے کو سیکھنے کے عمل میں مشکل پیش آتی ہے یا وہ پڑھنے لکھنے میں کم صلاحیت کا حامل ہے یا اس کی اسکول میں کارکردگی بہتر نہیں ہے تو یہ جاننے کی کوشش کریں کہ کہیں آپ کے بچے کو ڈسلیکسیا تو نہیں۔

یہ کوئی ذہنی بیماری یا معذوری نہیں ہے بلکہ اس کے شکار افراد کو الفاظ پڑھنے، پہچاننے، سمجھنے، یاد رکھنے اور لکھنے کے عمل میں دشواری محسوس ہوتی ہے، تاہم انھیں کند ذہن یا نکما نہیں کہا جاسکتا۔ دراصل ہم بچے کی ذہنی استعداد کے مطابق اس کے سیکھنے کی صلاحیت کا اندازہ نہیں لگا پاتے اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق اسے پڑھانے لکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اکثر اوقات ہمیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر سارا الزام ہم بچے پر ڈال دیتے ہیں کہ اسے پڑھنے میں دلچسپی نہیں ہے۔

ذرا تصور کریں کہ اگر بچے کو اپنی آنکھوں کے سامنے حروف گھومتے نظر آتے ہیں یا وہ حرف 'ب' اور 'پ' کے درمیان فرق نہیں کر پاتا تو وہ کیسے بہتر کارکردگی دکھا سکتا ہے یا آپ کی بات کو سمجھ سکتا ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو دنیا کی 5٪ سے 10٪ فیصد آبادی کو متاثر کرتا ہے، جس کی وجہ سے ہر روز ان کی زندگی مشکل تر ہوتی چلی جاتی ہے کیونکہ والدین اور اساتذہ کا دباؤ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم شعوری طور پر اس بیماری میں مبتلا لوگوں کی زندگی اور ان کو درپیش صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

ایک ہی عمر اور جماعت کے بچوں کو ایک جیسا ہی لکھنا پڑھنا سکھایا جائے تو سب بچے ایک جیسی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کرتے لیکن دیر یا بدیر ہر بچہ بالآخر لکھنا پڑھنا سیکھ ہی جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ سیکھنے کے اس عمل میں ایک بچے کو دوسرے سے زیادہ وقت لگے، ایسی صورت میں والدین اور اساتذہ کو صبر و استقامت دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچے کو ڈانٹنے یا سزا دینے کے بجائے اس کے نہ سیکھنے یا اسے درپیش مشکل کی وجہ تلاش کرنی چاہیے۔

ڈسلیکسیا کی علامات ہر فرد میں مختلف ہوسکتی ہیں۔ کچھ بچے ہجے کرنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں تو کچھ لکھنے میں جدوجہد کر رہے ہوتے ہیں، کچھ بچے اس کشمکش میں بھی جلدی لکھنا سیکھ نہیں پاتے کہ انھیں دائیں ہاتھ سے لکھنا ہے یا بائیں ہاتھ سے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ بعض لوگوں سے عمر بھر املا اور گرامر کی غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔

بچوں کو اس مشکل سے نکالنے کیلئے والدین کا کردار بہت اہم ہوجاتا ہے۔ والدین کو اپنے بچے پر ابتدا ہی سے نظر رکھنی چاہیے کہ اس کے لکھنے پڑھنے کی کیفیت، منہ سے نکلنے والے عام بول چال کے الفاظ، ڈرائنگ کرنے کا انداز، لفظ جوڑنے اور توڑنے اور حروف کو پہچاننے کے عمل میں اس کی کارکردگی کیسی ہے تاکہ جلد از جلد یہ پتہ لگایا جاسکے کہ بچے کو کس جگہ ناکامی یا کمزوری کا سامنا ہے۔ اس کے لیے والدین کو بچے پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بچے کے سیکھنے میں آنے والی کسی بھی قسم کی رکاوٹ کو والدین بہت زیادہ سنجیدگی سے لیتے ہیں اور نتیجتاً وہ ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتے ہیں، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسے کچھ نہیں آتا اور نہ ہی وہ اچھی طرح سیکھ سکتا ہے۔ اس طرح بچہ نفسیاتی طور پر احساس کمتری کا شکار ہوجاتا ہے، اسے لگتا ہے کہ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے، اسے اہمیت نہیں دی جاتی، لہٰذا وہ اپنی بات کرنے یا دوسروں سے مدد مانگنے میں ہچکچانے لگتا ہے۔ بار بار پوچھنے پر جب ایسے بچوں کو سرزنش کی جاتی ہے تو ان کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے اور وہ یاد کرنے یا سیکھنے کے عمل میں مزید جھنجھلاہٹ کا شکار ہوجاتے ہیں، جس کا نتیجہ ذہنی دباؤ کی صورت نکلتا ہے۔

ڈسلیکسیا کے ماہرین ایسے بچوں کو اسپیچ تھراپی یا گفتگو کے مراحل سے شناخت کرتے ہیں اور ان کی کمزوریاں جان کر انہیں درست کرنے کے مشورے دیتے ہیں۔ ان کا مشورہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ بچوں کو ان کی عمر کی مناسبت سے ایسے کھلونے لاکر دیے جائیں، جن کے ذریعے وہ کھیل کھیل میں رنگوں یا اشکال کی مدد سے حروف پہچاننے لگیں۔ اس کے علاوہ انہیں دلچسپ، رنگ برنگی، تصویروں سے مزین کہانیاں، کتابیں اور رسائل لاکر دیں۔ اگر کسی بچے میں ڈسلیکسیا کی شناخت ہوجائے تو ٹیچرز کو اس صورتحال سے آگاہ کریں اور سب مل کر بچے کو اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کریں۔

ڈسلیکسیا میں مبتلا افراد بہت کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے سامنے کامیاب شخصیات کی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جو اپنے بچپن میں ڈسلیکسیا کا شکار تھیں۔ امریکا کی بہترین اداکارہ جینیفر آنسٹن، ہالی ووڈ کے چوٹی کے فلم میکر اسٹیون اسپیل برگ اور لیجنڈری ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپئن محمد علی مرحوم بھی ڈسلیکسیا کا شکار تھے مگر انھوں نے اپنی انتھک محنت، عزم اور کوششوں سے معاشرے میں ایک نام بنایا۔

بچوں کا گلستان

استاد کی چھڑی

(بچے کی نظر میں)

یہ کیا ہے مری جاں کا آزار ہے
مری زندگی اس سے دشوار ہے
سراسر مرے حق میں یہ زہر ہے
بلا ہے مصیبت ہے یا قہر ہے
کرے کھیلنے کا مزا کرکرا
ڈرے جو نہ اس سے وہ ہے سرپھرا
پڑے پیٹھ پر گر ذرا چُوک ہو
کلیجے میں اس سے نہ کیوں ہُوک ہو
مجھے خواب میں بھی ڈراتی ہے یہ
مری نیند اکثر چراتی ہے یہ
خیالوں میں آکر ستایا کرے
سدا خوں کے آنسو رلایا کرے
کبھی مجھ کو مرغا بناتی ہے یہ
کبھی دن میں تارے دکھاتی ہے یہ
حرام اس کے دَم سے ہوئی زندگی
کہاں تک اٹھاؤں میں شرمندگی
بڑوں کا تو کہنا ہے رحمت ہے یہ
مگر میرے حق میں تو زحمت ہے یہ
سمجھتا ہوں دل سے اسے واہیات
خدایا مجھے دے تو اس سے نجات
کئی خوبیاں اس میں جلّاد کی
چھڑی کہتے ہیں جس کو استاد کی

دادی امّاں

میری دادی امّاں نیاری
بھولی بھالی پیاری پیاری
اپنے ساتھ کھلاتی ہیں وہ
میرا جی بہلاتی ہیں وہ
راتوں میں کہتی ہیں قصّے
پریوں کے بھالو راجا کے
کوئی مجھ کو اگر رلائے
پھر وہ ان کی جِھڑکی کھائے
ابّو جس دن مجھ کو ماریں
دادی ان کو بھی پھٹکاریں
اُچھلوں کُودوں ناچوں گاؤں
ان کے آنچل میں چھپ جاؤں
سر پر ہاتھ مرے رکھتی ہیں
خوش ہوکر پھر یہ کہتی ہیں
پڑھ لکھ کر قابل بن جاؤ
دنیا میں تم نام کماؤ
میری دادی امّاں نیاری
بھولی بھالی پیاری پیاری

دماغی صحت بہتر رکھنے والی غذائیں

"ارے بھئی دماغ کو تیز کرنا ہے تو بادام اور اخروٹ کھاؤ"۔ یہ مشورہ زندگی میں آپ کو کسی نہ کسی نے ضرور دیا ہوگا اور شاید آپ نے اس پر عمل بھی کیا ہو اور دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیا ہو۔ دراصل دماغ جسم کا وہ عضو ہے، جو انسان کے پیدا ہوتے ہی کام کرنا شروع کر دیتا ہے اور مرنے کے بعد بھی کچھ وقت تک کام کرتا رہتا ہے۔ جس طرح غذائیں ہمارے پھیپھڑوں، گردوں، معدے اور دیگر جسمانی اعضا کو صحت مند اور کام کی حالت میں رکھتی ہیں، اسی طرح ہمارے دماغ کو بھی کچھ مخصوص غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے توانائی پہنچاتی ہیں۔ دماغ کو بہتر حالت میں رکھنے کے لیے وہ غذائیں کون سی ہیں، آیئے ان کے بارے میں جانتے ہیں۔

اخروٹ

آپ اخروٹ کی ساخت پر غور کریں تو یہ بالکل دماغ کی طرح دکھائی دے گی۔ ماہرین کے مطابق یہ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ قدرت نے اسے دماغ کو تقویت پہنچانے کیلئے بنایا ہے۔ اس میں پولی اَن سیچوریٹڈ ایسڈ (اومیگا 6 فیٹی ایسڈ) اور پولی فینولک مرکبات ہوتے ہیں، جو دماغ کے خلیوں سے آکسیڈنٹ اور انفلیمیٹری بوجھ کو کم کرتے ہیں۔ اس سے آپ کے بین الاعصابی سگنلز بہتر کام کرنا شروع کر دیتے ہیں اور دماغی افعال میں بہتری آتی ہے۔ اسے کھانے سے ڈپریشن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

بادام

بادام میں بھرپور مقدار میں وٹامن ای، فولیٹ (Folate) اور اومیگا 6 فیٹی ایسڈ ہونے کی وجہ سے یہ دماغ کیلئے سپر فوڈ کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ یادداشت رکھنے والے عضلات میں بہتری لاتا ہے اور الزائمر اور نسیان (بھولنے کی بیماری) کے علاج میں مدد کرتا ہے۔ بادام دماغ پر پڑنے والے عمر کے اثرات کو بھی کم کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

مونگ پھلی

مونگ پھلی میں بڑی مقدار میں نیاسن (Niacin) اور فولیٹ موجود ہوتے ہیں، جو وٹامن ای کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں۔ یہ اجزاء الزائمر جیسی بیماری اور عمر بڑھنے کی وجہ سے حواس کی کمزوری کے خلاف کام کرتے ہیں۔ 65 برس سے زائد عمر کے 4 ہزار لوگوں پر جب تجربہ کیا گیا تو غذا میں niacin کی موجودگی کی وجہ سے ان کے حواس خمسہ میں کمی ہونے کے عمل میں تاخیر دیکھی گئی مونگ پھلی میں پولی فینولک مرکبات دماغی خلیوں کیلئے بہترین ہوتے ہیں۔

دالیں اور اجناس

دالیں آپ کے دماغ کی بہترین دوست ہیں۔ گندم، دالیں، چاول اور دلیہ ایسی غذائیں ہیں جو دماغ کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ ان میں ہر قسم کے فائدہ مند اجزاء جیسے کہ فائبر، وٹامن بی، ای اور دیگر مفید معدنیات ہوتے ہیں۔ ان میں موجود فائبر اور پیچیدہ کاربوہائیڈریٹس آپ کے جسم اور دماغ کی بند شریانوں کو کھول دیتے ہیں۔ شریانیں صاف ہونے سے دماغ تک پہنچنے والا خون آکسیجن سے بھرپور ہوتا ہے اور آپ کو برین اسٹروک اور ڈیمینشیا سے محفوظ رہنے میں مدد کرتا ہے۔ اسی لیے مشورہ دیا جاتا ہے کہ آپ اپنی روزمرہ کی خوراک میں دالوں کو ضرور شامل کریں۔ کم سے کم ایک چوتھائی پلیٹ دالیں یا اجناس آپ کو روزانہ کھانا چاہئے۔ اسی طرح سفید یا کالے چنے بھی میگنیشیم سے بھرپور ہوتے ہیں، جس سے دماغ کے خلیوں کے ریسیپٹرز کو فائدہ ہوتا ہے۔ یہ ریسیپٹرز پیغامات کی ترسیل کی رفتار تیز کرتے ہیں اور خون کی شریانوں کو کھول کر دماغ تک خون کی آسان فراہمی کو ممکن بناتے ہیں۔

پتوں والی سبزیاں

اگر آپ دن میں ایک بار بھی پتوں والی سبزی کا استعمال کرتے ہیں تو آپ کی عمر ڈھلنے کے حساب سے حواس خمسہ کے کمزور ہونے میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ پالک اور دیگر پتوں والی سبزیاں فولیٹ، نائٹریٹ اور دیگر ایسے اجزاء پر مشتمل ہوتی ہیں جو آپ کے اعصاب کو کمزور کرنے والے عمل کو سست کرتی ہیں۔ سبزیوں کا سب سے بڑا فائدہ ان میں موجود پوٹاشیم ہے، جو آپ کے اندر موجود سوڈیم یعنی نمک کی زیادتی کو معتدل کرتا ہے۔

پھلیاں

پھلیوں سے براہ راست پوٹاشیم، میگنیشیم، فولیٹ، کولین، تھایامن اور بہت سے فائدہ مند اجزاء حاصل ہوتے ہیں جو ہمارے دماغی اور اعصابی افعال کو بہتر حالت میں رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ پھلیوں کی کئی اقسام میں امینو ایسڈ اور پروٹینز بھی ہوتے ہیں، وہ اعصاب کو فعال رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔

پھل

ایواکاڈو مونو سیچوریٹڈ فیٹس، فائبر، لوٹین اور دیگر مفید اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ تمام اجزاء حواس خمسہ، اعصابی افعال اور آنکھ کی صحت کو بہتر کرتے ہیں۔ اسٹربیری، بلیک بیری یا رس بیری، ان سب میں انتھوسیانن اور دیگر فلیونوائڈز ہوتے ہیں، جو صحت مند دماغ کی تشکیل میں مدد کرتے ہیں۔ سیب میں موجود سیروٹونن نامی جزو دماغی اعصاب کو آکسیڈینٹ سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ یہ جزو دماغ کو ورم اور دیگر مسائل سے محفوظ رکھنے میں مدد کرسکتا ہے جبکہ اس سے الزائمر ہونے کا خدشہ بھی کم ہوتا ہے۔

مچھلی

مچھلیوں میں موجود اومیگا 3 فیٹی ایسڈ سے بڑھ کر شاید ہی کوئی چیز دماغی طاقت کے لئے کارآمد ہے۔ اگر جسم میں اومیگا 3 کی مقدار کم ہو تو یہ دماغ کی خراب کارکردگی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ٹھنڈے پانی کی مچھلیوں کی مخصوص اقسام میں اومیگا 3 پایا جاتا ہے مثلاً سامن اور ٹراؤٹ۔

یہ دماغی استعداد کار اور دماغ کے باہم متصل افعال کو بہترین بناتا ہے۔ ماہرین کے مطابق ٹھنڈے پانی کی مچھلیاں، خاص طور سے ٹونا، سامن، ٹراؤٹ اور دیگر چکناہٹ والی مچھلیوں میں اومیگا تھری فیٹی ایسڈ وافر مقدار میں پایا جاتا ہے جو دماغی اور قلب کے امراض کے علاوہ انسانی جسم کے مختلف اعضا کے لئے بہت مفید ہے۔

ڈبل روٹی سے مزیدار ڈشز تیار کریں

دنیا بھر میں خصوصاً ناشتہ کے وقت ڈبل روٹی (Bread) کا استعمال عام ہے۔ ہمارے ملک کے شہروں علاقوں میں ڈبل روٹی ایک مقبول غذا ہے۔ گوندھے ہوئے آٹے میں خمیری اجزاء ملا کر سانچے میں پکائی ہوئی روٹی کو ڈبل روٹی کہا جاتا ہے۔ اسے سلائسز کی صورت میں کاٹا جاتا ہے مختلف ممالک میں ڈبل روٹی تیار کرنے کا طریقہ الگ ہے، کہیں نمک ملے آٹے یا میدے سے تو کہیں آلو، مٹر یا چاول کا آٹا ملا کر اسے مزیدار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ 3 ہزار سال پہلے مصر میں ڈبل روٹی بنانے کا آغاز ہوا تھا۔ وہاں کے لوگ گوندھے ہوئے آٹے میں گھی اور کھانے کا سوڈا شامل کر کے اسے بھٹی میں پکاتے تھے۔ ڈبل روٹی بنانے کے اسی طرح کے نمونے مصر کے مقبروں میں بھی ملتے ہیں۔ ڈبل روٹی کی پسندیدگی اور اس کے استعمال کو مدنظر رکھتے ہوئے آج ہم اس سے بنی چند مزیدار ڈشز قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

شاہی ٹکڑے

درکار اجزاء: ڈبل روٹی۔ 8 سلائسز، کنڈینسڈ ملک۔ 397 گرام، کارن فلور۔ ایک کھانے کا چمچ، چینی۔ آدھا کھانے کا چمچ ایک پاؤ، بادام۔ 15 عدد باریک کٹے ہوئے، چھوٹی الائچی۔ 4 عدد باریک کچلی ہوئی، گھی۔ حسبِ ضرورت، چاندی کے ورق۔ حسبِ ضرورت۔

ترکیب: ڈبل روٹی کے سات سلائسز لیں اور ان کے کنارے کاٹ کر ہر توسٹ کے دو برابر ٹکڑے کاٹ لیں۔ پھر فرائنگ پین میں گھی گرم کر کے ان سلائسز کو ڈیپ فرائی کر لیں، جب دونوں طرف سے بادامی رنگ کے ہو جائیں تو نکال کر ٹشو پیپر پر پھیلا دیں تا کہ چکنائی جذب ہو جائے۔ اب دودھ، کارن فلور، الائچی اور چینی کو فرائنگ پین میں ڈال کر ہلکا سا پکا لیں۔ جب دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور اسے فرائی کیے ہوئے سلائسز کے اوپر ڈال دیں۔ اوپر سے بادام چھڑک دیں اور خوبصورت ڈش میں چاندی کے ورق لگا کر مزیدار خستہ شاہی ٹکڑے پیش کریں۔

چیزی بریڈ فنگرز

درکار اجزاء: بریڈ سلائس۔ آٹھ عدد، چیڈر چیز (کدوکش کی ہوئی)۔ آدھا کپ، ہری پیاز۔ دو عدد کٹی ہوئی، کالی مرچ۔ آدھا چائے کا چمچ، چکن پاؤڈر۔ آدھا چائے کا چمچ، نمک۔ حسبِ ذائقہ، انڈہ۔ ایک عدد، تیل۔ تلنے کے لیے

ترکیب: پہلے بریڈ سلائس کے کنارے کاٹ کر ان کے بریڈ کرمبز بنا لیں۔ اب ایک پیالے میں چیڈر چیز، ہری پیاز، کالی مرچ، چکن پاؤڈر اور نمک ڈال کر مکس کریں۔ پھر بریڈ سلائس کو دبا کر اس میں تیار کی گئی فلنگ ڈالیں اور رول کر لیں۔ اب ان بریڈ رولز کو انڈے میں ڈپ کر کے کرمبز میں فولڈ کریں اور گرم تیل میں ڈیپ فرائی کر لیں۔ چیزی بریڈ فنگرز پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔

بریڈ سوس

درکار اجزاء: ڈبل روٹی کے سلائس۔ دو عدد، دودھ۔ آدھ کلو، پیاز۔ ایک عدد، لونگ۔ چھ عدد، مکھن۔ دو چمچ، نمک۔ حسبِ ذائقہ، کالی مرچ۔ حسبِ ضرورت

ترکیب: پیاز اور لونگ کپڑے میں باندھ کر دودھ میں ابالیں۔ خوشبو آنے پر پیاز اور لونگ نکال لیں۔ اب ڈبل روٹی کے ٹکڑوں کو پیس کر دودھ میں ڈال کر ابالیں، ساتھ ساتھ چمچہ چلاتے رہیں۔ جب ڈبل روٹی پھول جائے اور سوس گاڑھی ہو جائے تو مکھن ڈال لیں۔ پھر نمک اور کالی مرچ ملا کر اتار لیں، لیجیے بریڈ سوس تیار ہے۔

بریڈ پیزا

درکار اجزاء: بریڈ سلائس۔ دو عدد، ٹماٹر۔ دو عدد، پیاز۔ آدھی، لال شملہ مرچ۔ آدھی، ہری شملہ مرچ۔ آدھی، ہری پیاز۔ دو کھانے کے چمچ، کالا زیتون۔ چھ عدد، ہرا دھنیا۔ دو کھانے کے چمچ، نمک۔ حسبِ ذائقہ، کالی مرچ (پسی ہوئی)۔ ایک چائے کا چمچ، چیڈر چیز۔ دو کھانے کے چمچ، موزریلا چیز۔ دو کھانے کے چمچ، چلی گارلک سوس۔ دو کھانے کے چمچ، پیزا سوس۔ تین کھانے کے چمچ، چیز سلائس۔ دو عدد،

ترکیب: ایک برتن میں پیاز، لال شملہ مرچ، ہری شملہ مرچ، ہری پیاز، کالا زیتون، ہرا دھنیا، نمک، پسی ہوئی کالی مرچ، چیڈر چیز، موزریلا چیز اور چلی گارلک سوس ڈال کر ملا لیں۔ پھر بریڈ سلائس پر پیزا سوس لگائیں۔ اب تیار شدہ مکسچر کی ایک پرت بریڈ پر لگائیں اور اس پر چیز سلائس رکھ دیں۔ تیار شدہ بریڈ کو پین میں ڈھک کر تین سے چار منٹ تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ لیجیے مزیدار بریڈ پیزا تیار ہے۔

بریڈ پکوڑے

درکار اجزاء: ڈبل روٹی۔ چھ سلائس، بیسن۔ ایک کپ، سرخ مرچ۔ ایک چمچ ہلدی۔ ڈیڑھ چمچ، سبز دھنیا۔ حسبِ ضرورت، نمک۔ حسبِ ضرورت، تیل۔ حسبِ ضرورت

ترکیب: ڈبل روٹی کا سخت والا حصہ الگ کر کے اپنی مرضی کے مطابق اس کے ٹکڑے کر لیں۔ باقی تمام اجزاء پانی میں ڈال کر ایک گاڑھا آمیزہ تیار کر لیں اور پھر ڈبل روٹی کے ٹکڑے اس آمیزے میں بھگو کر تل لیں۔ پلیٹ میں نکال کر پودینے کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

❀❀❀

خوشخبری

کیا آپ اپنے یا اپنے کسی عزیز رشتہ دار کے بچوں کے رشتہ سے متعلق پریشان ہیں؟اور آپکو ملک یا بیرون ملک مناسب رشتہ کی تلاش ہے تو "آبگینے بندھن" لایا ہے آپکے لئے ایسا پلیٹ فارم جہاں پر آپ اپنی خواہش کے مطابق بہترین وبااعتماد تلاش کرسکیں گے۔ہم رشتہ ناتا سے متعلق خواتین وحضرات کی معاونت، مدد اور خدمت کے لئے کوشاں ہیں۔خواہشمند افراد رابطہ کریں۔

"بے شک رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں مگر یہ سلسلے پایۂ تکمیل زمین پاتے ہیں"

آج کے دور میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ ایک بڑا مسئلہ اچھے اور مناسب رشتے کی تلاش ہے۔آپکے اپنے رسالے "آبگینے" کی انتظامیہ نے عصر حاضر کے اس گھمبیر مسئلے کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے اس سلسلے میں محض فی سبیل للہ نیک نیتی اور احباب کی مدد سے ایک پلیٹ فارم مہیا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور "آبگینے بندھن" ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں پر احباب کو دنیا بھر سے موزوں و مناسب رشتے کی تلاش میں معاونت فراہم کی جائے گی۔

اس پلیٹ فارم پر مخلص احباب اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ اچھے رشتوں کی تلاش وفراہمی میں معاونت کرسکیں گے۔

رشتہ کے لئے امیدوار کو ایک فارم فل کر کے گروپ ایڈمن کو بھیجنا ہوگا۔اس فارم میں تمام مطلوبہ کوائف اور درست معلومات فراہم کرنا ضروری ہے۔

احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے گروپ میں شامل ہونے سے قبل ممبرشپ ضروری ہے جس میں امیدوار (بچے، بچی) کے تمام کوائف درج ہونگے۔

کسی بھی قسم کی غلط بیانی یا دروغ گوئی پر ممبر کو گروپ سے ریموو کر دیا جائے گا۔

رشتہ سے متعلق حتمی انفرادی تحقیق دونوں فریق خود کریں گے اور اپنی صوابدید پر رشتہ طے کرنے کا فیصلہ کریں گے گروپ انتظامیہ کسی بھی صورت میں ذمہ دار نہیں ہوگی۔

رابطہ کے لئے: محی الدین عباسی

+447940077852

m.abbasi.uk@gmail.com

غزل

(بشارت سکھی جرمنی)

گرہ نفرت کی کیوں کھلتی نہیں ہے
محبت کی کلی کھلتی نہیں ہے
ہے جنگ افکار کی سن لے زمانہ
کہ تجھ سے دشمنی ذاتی نہیں ہے
مری تشنہ لبی حد سے سوا ہے
ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
فتن کا ہر طرف ہے دور دورہ
کیوں سچائی کہیں ملتی نہیں ہے
یہ خاکی خاک ہو جائے گا اک دن
یہ فانی زیست ہے رہنی نہیں ہے
یہ چہرے کاغذی پھولوں کے جیسے
مہک ملتی کہیں اصلی نہیں ہے
گھرا ہے دیس میرا ظلمتوں میں
کہیں بھی روشنی جلتی نہیں ہے
سکھی سچ بات تو تکلیف دے گی
مگر وہ جھوٹ سے چھپتی نہیں ہے

❁❁❁

مجھے اردو نہیں آتی

میں ایسا گُل ہوں جس میں سے کوئی خوشبو نہیں آتی
میں اردو کا معلم ہوں مجھے اردو نہیں آتی

تلفظ بھول جاتا ہوں کئی لفظوں کا میں اکثر
قواعد کا کوئی بھی جز نہیں ہوتا مجھے ازبر
بڑی مشکل زباں ہے یہ مرے قابو نہیں آتی
میں اردو کا معلم ہوں مجھے اردو نہیں آتی

غزل کیا ہے، کہیں گے ہم کسے مطلع نہیں معلوم
تخلص کس کو کہتے ہیں، ہے کیا مقطع نہیں معلوم
کسی بھی طرز سے قبضے میں یہ آہو نہیں آتی
میں اردو کا معلم ہوں مجھے اردو نہیں آتی

کسی بھی کام کی اردو نہیں ہے اب مرے یارو
نہ مل پائے گا اِس سے عہدہ و منصب مرے یارو
مقابل میں یہ انگلش کے کسی پہلو نہیں آتی
میں اردو کا معلم ہوں مجھے اردو نہیں آتی

مجھے تنخواہ ملتی ہے کہ میں اردو کا داعی ہوں
مگر میں حق میں اردو کے سراپا اِمتناعی ہوں
کبھی نیچے خجالت سے مگر ابرو نہیں آتی
میں اردو کا معلم ہوں مجھے اردو نہیں آتی

اب انگریزی کے اسکولوں میں پڑھتے ہیں مرے بچے
سلامت سیڑھیاں نصرت کی چڑھتے ہیں مرے بچے
بہت خوش ہوں کہ بچوں کو مرے اردو نہیں آتی
میں اردو کا معلم ہوں مجھے اردو نہیں آتی

میں ایسا گل ہوں جس میں سے کوئی خوشبو نہیں آتی
میں اردو کا معلم ہوں مجھے اردو نہیں آتی
(منقول)

❁❁❁

بھُل بھلیکھے پیار سی پایا

(فہمیدہ مسرت احمد جرمنی)

بھُل بھلیکھے پیار سی پایا
میں تے اپنا آپ گنوایا
ہر کوئی مارے طعنے مہنے
سجنا ایہہ کیہ ویر کمایا
جیہڑے دنیا چھڈ کے ٹُر گئے
اج تک مڑ کے کوئی نہ آیا
دن ہوندا تے لبھ وی لیندی
رات نوں کتھوں لبھاں سایا
تیرا دکھ مرجھا نہ جاوے
رو رو اکھیاں پانی لایا
اَج فر پچھلی راتیں آ کے
دل دا بوہا کس کھڑکایا
بس فہمیدہ ساری زندگی
اکو تیرا ہجر کمایا

❁❁❁

مدیرہ کی ڈاک

ضروری وضاحت: محدود صفحات کے باعث مدیرہ کی ڈاک میں تبصرے چیدہ چیدہ شائع کئے جاتے ہیں۔بہت سارے تبصرے میل اور واٹس اَپ کے ذریعہ موصول ہوتے ہیں۔ادارہ سب کو شائع کرنے سے قاصر ہے۔ان تمام خواتین وحضرات کا ہم تہہ دل سے مشکور ہیں جو ہماری حوصلہ افزائی اور پسند کرتے ہیں۔

السلام علیکم ور حمتہ اللہ،

آبگینے،ماہ نومبر حسب روایت اپنی درس القرآن کی اعلیٰ وعمدہ منتخب آیات سے ہماری تربیت کی بات شروع کی اور اداریہ میں مدیرہ نے تسلسل کو برقرار رکھا،ایک نعت السلام علیکم ایک الٰہی تحفہ،،جامع تشریح کر کے۔۔۔جزاک اللہ

اسلامی تعلیمات پر چار عمدہ واعلیٰ مضمون حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے علاوہ عورت کے حقوق کے تحفظ کے لئے فوزیہ منصور صاحبہ کی تحریر قابل غور ہے،تربیت کے ساتھ ساتھ صحبت صالحین بھی بہت ضروری ہوتی ہے۔طاہرہ زرتشت جی کی تحریر شاعروں کے لئے خاص تحفہ ہے۔ہر کہانی ہر تحریر اتنی دلچسپ ہوتی ہے۔کہ پڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔شاعری کا معیار بھی بہت عمدہ واعلیٰ بے اختیار دل داد دیتا ہے۔آبگینے کی تمام ٹیم کے لئے ڈھیروں دعائیں جو اتنا خوبصورت میگزین وقت پر قارئین تک پہنچا رہا ہے۔

برکت ناصر کراچی پاکستان

❁❁❁

السلام علیکم۔آبگینے ماشاءاللہ ایک معیاری خواتین ڈائجسٹ ہے۔اور ہر ماہ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ اسکا مطالعہ کرتی ہوں۔بہت عمدہ اور دلچسپ مواد کہانیاں شاعری،مضامین سب بہت اعلیٰ و بہترین ہوتا ہے۔آبگینے ٹیم کے لئے بہت سی دعائیں۔

جمیلہ مشتاق سیالکوٹ پاکستان۔

❁❁❁

السلام علیکم آبگینے ٹیم کو ایک بہت عمدہ و کامیاب ڈائجسٹ کی پیشکش پر بہت مبارکباد پیش کرتی ہوں۔اللہ کرے یہ رسالہ اسی طرح ترقی کی منازل طے کرتا رہے آمین۔

مسرت ناھید جرمنی

❁❁❁

مکرمہ مدثرہ جی۔السلام علیکم ور حمتہ اللہ وبرکاتہ۔اللہ کرے آپ بالکل خیریت سے ہوں۔آبگینے پڑھنے کے بعد اس کے بارے میں نہ لکھنا میرا خیال ہے زیادتی ہو گی۔آپ کی محنت اور کوششوں کا ثمر ہر ماہ ہمیں گھر بیٹھے مل جاتا ھے۔بلاشبہ اس میں روحانی مائدے کے ساتھ دیگر علمی ادبی معلومات بھی ہوتی ہیں۔ہماری دعا ھے کہ اس رسالہ سے تمام پڑھنے والے اچھی طرح مستفید ہوں۔اور اپنی نگارشات کے زریعے اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے رہیں۔نومبر کے شمارے میں درس القرآن میں بہت عمدہ موضوعات کو شامل کیا گیا تھا۔اس بار ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا تفصیلی ذکر خیر تھا۔عورتوں کے حوالے سے کافی معلوماتی مواد شامل تھا۔ام کلثوم اور زہرہ عبداللہ جیسی محنتی طالبات ہمارے لیے باعث فخر ہیں۔خواتین کا زندگی کے مختلف شعبہ جات میں نمایاں کردار ادا کرنا دوسری خواتین کے لیے بھی تحریک کا باعث بنتا ھے۔

اس میں شامل افسانے،شاعری،پکوان،وغیرہ سب دلچسپی کا باعث تھے۔اس کے لیے بس اتنا کہہ سکتے ہیں

عروج ایسا ہو تجھ کو نصیب دنیا میں
کہ آسماں بھی تیری رفعتوں پہ ناز کرے

آبگینے کی ساری ٹیم کے لیے بہت سی دعائیں۔

والسلام

امتہ الرشید۔میر پور آزاد کشمیر

❁❁❁

اسلام علیکم باجی ماشاء اللہ اچھے مضامین ہیں۔صرف آپ گرافِکس اور ڈیزائنرز کی جانب تھوڑی توجہ دیں کیونکہ بہت ڈارک کلر بیک گراونڈ میں ہوں یا بہت زیادہ پھول وغیرہ تو توجہ قائم رکھنے میں مشکل پیش آتی ہے اور میری ذاتی رائے میں طبیعت کو اچھا بھی نہیں لگتا اتنا بھرا ہوا پیج۔باقی مضامین اچھے ہیں مگر ابھی بہت گنجائش باقی ہے۔اپ نے رائے مانگی تو پوری سچائی کے ساتھ جو محسوس کیا وہ بیان کر دیا۔باقی اگر کوئی بات گراں گزری ہو تو میں معافی کی خواستگار ہوں۔میرا مطلب آپکی دل شکنی یا دل آزاری ہر گز نہیں۔بہرحال میری دلچسپی کا باعث مضمون جو یہودی برادری کے حوالے سے تھا وہ بہت بہترین مضمون تھا اور سچ کہوں تو پورے رسالے میں یہی میری توجہ کا باعث بنا۔دعاؤں میں یاد رکھیں۔والسلام

درثمین احمد

❁❁❁

مدثرہ عباسی اردو/انگریزی ٹیچر فارن اینڈ کامن ویلتھ آفس UK

Use of: (Can سکنا) That means (قابل ہونا as well)

Rule: subject+root of the verb+can {in the form of present, past and future}
Examples are here:

Present simple tense

Can: sakna Na replaces to 'ta'., 'Tei' and 'tee'

I-میں{MeiN}	Go- {ja} جا	Can- سکتا ہوں (m) سکتی ہوں. (f)
You. آپ {aap}	Go- {ja} جا	Can- سکتے ہیں- {saktei heiN}. (M-S & P) Can- سکتی ہیں-{saktee heiN} (F-S & P)
We. ہم {hum}	Go- {ja} جا	Can- سکتے ہیں- {saktei heiN}. (M-S & P) Can- سکتی ہیں-{saktee heiN} (F-S & P)
They. وہ {woh}	Go- {ja} جا	Can- سکتے ہیں- {saktei heiN}. (M-S & P) Can- سکتی ہیں-{saktee heiN} (F-S & P)
He. وہ {woh} She. وہ {woh}	Go- {ja} جا	Can- سکتا ہے-{ sakta hei} Can- سکتی ہے- {saktee hei}

I go: meiN jatee hooN. I can go: MeiN ja saktee hooN.
I can work. MeiN kaam kar sakta hooN. {M}-میں کام کر سکتا ہوں
We can eat: hum kha saktei heiN. {P} ہم کھا سکتے ہیں-
They can read: woh paRh saktei heiN. {p} وہ پڑھ سکتے ہیں-
You can write: aap likh saktei heiN. {S-P-M} آپ پڑھ سکتے ہیں-
You can drink coffee: aap coffee pee saktee heiN. {S-P-F} آپ پڑھ سکتی ہیں-
She can play. Woh kheil saktee hei. وہ کھیل سکتی ہے
He can watch: woh deikh sakta hei. وہ دیکھ سکتا ہے
I can read and write Urdu: MeiN paRh aur likh saktee hooN. میں اردو پڑھ اور لکھ سکتا ہوں-

Use of time:

At 8: aaTh bajei
I can wake up at 8: MeiN aaTh bajei jag saktee hooN.
He can work at 4: woh char bajei kaam kar sakta hei.
Clock and watch: ghaRee. Car: gaaRee

Rule: Clock that describes the time in English that is ***bajna*** in Urdu:

One O' clock: (clock) eik baja hei.
Two O' clock: do bajei heiN.
Eight O' clock: aaTh bajei heiN.
Three O' clock: teen bajei heiN.
Ten O' clock: das bajei heiN.

Some Prepositions:

For: ke liye. کے لئے
For me: merei liyei: میرے لئے
This cup is for me: yeh cup merei liyei hei.
For us: hamarei liyei. ہمارے لئے
For you: aapke liyei آپ کے لئے
For him: uske liyei- اس کے لئے
For her: uske liyei اس کے لئے -
For them: Unkei liyei - ان کے لئے

❁❁❁

ZINGMAAR
EASY TO FOLLOW
UNIQUE RECIPES FROM
AROUND THE WORLD
FOLLOW @ZINGMAAR

ISSUE
DEC 2020
Vol-2 | Issue-5
RABI-UL-SANI
JAMADI-UL-AWWAL

AABGEENEI

MONTHLY KHAWATEEN DIGEST

An Educational and Literary Magazine For Social and Religious affairs

Under the supervision of
ABBASI ACADEMY

Editor
Mudessera Abbasi

Incharge of Gosha Adab **Humaira Nighat**	Incharge of Bacchon Ka Gulistan / Pakwan Eeshatur-Razia Abbasi	**Chief executive Mohiuddin Abbasi**